823

کرشن چندر

کانچ کے ٹکڑے

قیمت

کرشن چندر

823

کانچ کے ٹکڑے

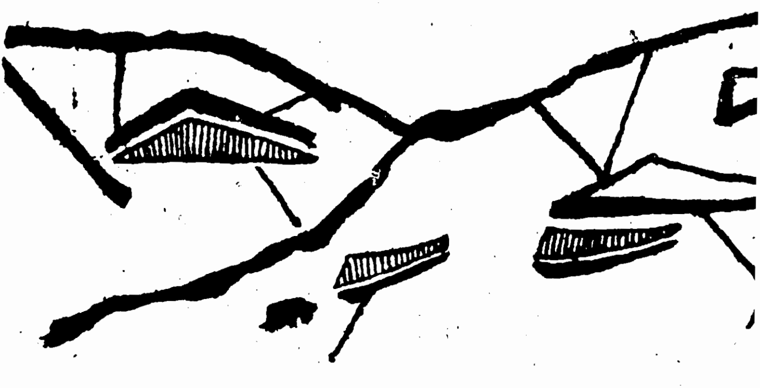

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد-۲ کراچی ۱۸

کراچی بک ڈپو اردو بازار کراچی

قیمت :-

[illegible] روپے پچاس پیسے

اشاعت اول

(اکتوبر ۱۹۷۲ء)

اردو

پاکٹ

بکس

(پاکستان)
ناظم آباد ۲
کراچی ۱۸

(انجمن پریس کراچی)

"لوگ اسے عینک کہتے ہیں، مگر میرے خیال میں یہ صرف کانچ کے ٹکڑے ہیں، جو کمانی میں پھنسا دیے گئے ہیں ....

.... لیکن کانچ کے یہ ٹکڑے معمولی بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ جب میں انھیں اپنی آنکھوں پر رکھتا ہوں تو وہ سب کچھ جو اس سے پہلے نظر نہیں آتا تھا، یا جو پھیکا، پھیلا پھیلا گورکھ دھندا سا جان پڑتا تھا...... وہ سب کچھ صاف صاف نظر آنے لگتا ہے۔"

کرشن چندر

کرشن چندر کے پاس ایسی آنکھیں ہیں جو واقعات اور اشیا کے پردے کو چاک کر کے ان کی حقیقت کو دیکھ لیتی ہیں۔

"کانچ کے ٹکڑے" حقیقی واقعات کو تخیل کی چاشنی دے کر کبھی افسانے تو کبھی طنز کے سانچے میں ڈھالنے کا ایک بالکل نیا اور انوکھا تجربہ ہے۔

فہرست

۱۔	پالنا	۵
۲۔	کتا پلاننگ	۱۹
۳۔	ملکہ کی آمد	۳۰
۴۔	گندہ دان	۴۲
۵۔	پرانا قرضہ	۵۱
۶۔	پھٹا لحاف	۵۸
۷۔	رشتہ کی ضرورت	۷۱
۸۔	خالی قبر	۸۴
۹۔	ٹیکسی ڈرائیور	۹۴

پالنا

میرے ہات میں ایک عینک ہے۔

لوگ اسے عینک کہتے ہیں مگر میرے خیال میں یہ صرف کانچ کے ٹکڑے ہیں جو پلاسٹک کی کمانی میں پھنسا دیئے گئے ہیں۔ جس طرح سماج کی کمانی میں آدمی کی زندگی پھنسا دی جاتی ہے... یہ زندگی ٹوٹ سکتی ہے مگر اس کمانی سے باہر نکل نہیں سکتی ـــــ یہی حال کانچ کے اِن دو ٹکڑوں کا ہے۔

مگر پلاسٹک کی کمانی میں پھنسے ہوئے کانچ کے یہ دو ٹکڑے معمولی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ جب میں انہیں اپنی آنکھوں پر رکھتا ہوں تو تعجب ہونے لگتا تھا، یہ سب کچھ جو اس سے پہلے نظر نہیں آتا تھا یا جو پھیکا، پھیلا پھیلا گورکھ دھندا سا لگتا تھا۔ یا جو اڑے اڑے سے دھندلکے میں لپٹا ہوا دھول مٹی میں اٹا ہوا دکھائی دیتا تھا، وہ سب کچھ صاف صاف نظر آنے لگتا ہے۔ جیسے دھند چھٹ گئی ہو، غبار دھل گیا ہو اور ہر چیز فوکس میں ہو ـــــ میرے خیال میں کانچ کے ٹکڑوں کا اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ یہ ٹکڑے انسان کی آنکھوں کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔ یوں تو ہر انسان کے پاس آنکھیں ہوتی ہیں، آنکھوں میں نظر ہوتی ہے، نظر میں نگاہ ہوتی ہے۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان آنکھیں ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھتا، نظر رکھتے ہوئے بھی اندھا رہتا ہے، نگاہ ہوتے ہوئے کچھ نہیں سمجھتا اور وہ ایسا محسوس کرتا ہے جیسے اس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہوں اور بیچ

میں اندھیرا ہو۔

مگر یہ کانچ کے ٹکڑے بڑے عجیب ہیں، یہ دیواروں کے آر پار دیکھ لیتے ہیں جہاں اندھیرا ہوتا ہے وہاں روشنی لیکر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ چاہیں تو وقت تھم جائے، آگے بہنے لگے یا پیچھے کو چلنے لگے۔ نظر جب ان ٹکڑوں میں سے گذرتی ہے تب روشنی سے زیادہ تیز رفتار ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ نظر پوری کائنات کو گھیرے میں لے لیتی ہے اور کبھی ایک بوند پر ہی جم کر رہ جاتی ہے۔

ہر روز صبح کا اخبار میں کانچ کے انہیں ٹکڑوں کی مدد سے پڑھتا ہوں۔ مگر ان کا برتاؤ میری آنکھ کے ساتھ کچھ عجیب سا ہے۔ مثال کے طور پر میں آج صبح کے اخبار میں پردھان منتری کا بھاشن پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ کانچ کے ٹکڑے شاید کچھ اور ہی پڑھنا چاہتے تھے۔ جیسے ہی میں نے پردھان منتری کی تقریر پڑھنی شروع کی، عین اسی وقت اخبار کے حروف میری نظر کے نیچے سے پھسلنے لگے اور پگھل کر اپنی شکل کھونے لگے۔ پھر بڑے بڑے دائرے بن کر میری آنکھوں کے گرد ناچنے لگے۔ پریشان ہو کر میں نے اپنی نظر وہاں سے ہٹالی۔ سوچا، چلو پردھان منتری کا بھاشن نہ سہی، کوئی دوسری ہی خبر پڑھیں گے۔ ذرا معلوم تو کریں افریقہ میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ جاننے کے لئے میں نے اخبار کا پنّا پلٹا، تو میری نظر پھسلنے پھسلتے افریقہ کی خبر سے بھی نیچے پھسلتی ہوئی ایک تصویر پر پہنچ کر رک گئی اور کانچ کے ٹکڑے فوکس میں آگئے۔

یہ افریقہ کے کسی بڑے نیتا کی تصویر نہ تھی، یہ دلی میں دریا گنج کے یتیم خانے کی ایک تصویر تھی جس کے باہر ایک پالنا لٹکا ہوا تھا، تاکہ لوگ ناجائز حرامی بچوں کو کسی گندی موری میں ڈالنے یا کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکنے کے بجائے اس پالنے میں ڈال جائیں۔ کس قدر بڑھیا، عمدہ اور نیک خیال آیا تھا کسی کو جس کسی نے یہ ترکیب نکالی تھی، اس کے تیز ذہن کی داد نہ دینا بڑے ظلم کی بات ہوگی۔ میں نے پلک جھپکا کر غور سے اس پالنے کی طرف دیکھا تو ـــــــ تو پلک جھپکتے ہی میں خود وہاں موجود تھا۔

پکے رنگ کی ایک عورت اس پالنے میں ایک بچّہ رکھ کر جلدی سے بھاگی جا رہی تھی۔ "ارے ارے ٹھہرو!" میں نے چلا کر کہا ــــــ مگر مجھے دیکھتے ہی وہ اور بھی تیزی سے بھاگ نکلی اور گلی کے نکڑ پر غائب ہو گئی ــــــ میں نے ایک نظر سے پالنے میں پڑے بچّے کی طرف دیکھا، دوسرے ہی لمحہ میں اس عورت کی طرف بھاگا۔ گلی کے آخری موڑ پر میں نے اسے جا پکڑا۔ وہ ہانپتی کانپتی ایک ڈرگ سٹور کے خالی برآمدے میں بیٹھ گئی۔ مجھے اپنے پاس آتا دیکھ کر اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی، اپنا بچّہ اس پالنے میں چھوڑ آئی ہو۔"

بالکل پاس سے اسے دیکھا تو محسوس ہوا کہ میرا اس سے یوں سوال کرنا ٹھیک نہ تھا، کیوں کہ وہ عمر کے اس حصّے سے گذر چکی تھی جب عورتوں کے بچّہ پیدا ہوتا ہے۔

اس نے میرے سوال کا جواب نہ دیا، کیوں کہ وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے میرے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور ان پر اپنا سر رکھ دیا۔

"یہ کس کا بچّہ ہے؟" میں نے کڑک کر پوچھا۔

"میری لڑکی کا۔" اس نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"کہاں رہتی ہو؟"

"سری والاں کی گلی میں۔"

"بچّے کو واپس لے جاؤ۔"

"نہیں لے جا سکتی۔" بڑھیا نے روتے روتے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ "ابھی تو میں اپنی لڑکی کو بھی محلے میں واپس نہیں لے جا سکتی۔ لوگ کیا کہیں گے؟ ابھی تو میری لڑکی کنواری ہے۔ پھر یہ بچّہ کہاں سے آیا؟ بچّی کے باپ کو تو اس کا کچھ پتہ نہیں ہے، اسے معلوم ہو گیا تو وہ میری بٹیا کو جان سے مار ڈالے گا۔"

"اور وہ بدمعاش کہاں ہے، جس نے ... جس نے؟ ... "

"اس نے اپنا تبادلہ باہر مدراس میں کرا لیا ہے۔ پہلے تو کہتا تھا میں شادی کر لونگا، پھر چپکے سے تبادلہ کرا کے مدراس چلا گیا۔"

"تو مدراس میں جا کر پکڑ لو، اس پر مقدمہ چلا دو۔"

"کتنی بدنامی ہو گی بیٹا، سارے خاندان کی ناک کٹ جائے گی۔ ذرا سوچو تو، ابھی تو میری بٹیا کنواری ہے۔ ابھی تو کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، ابھی تو کسی دوسری جگہ بھی میں اس کی شادی کر سکتی ہوں۔"

میں اس بڑھیا کے پاس بیٹھ گیا اور بڑے میٹھے میٹھے لہجے میں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا ——— "ذرا سوچو تو ماں! تم اس بچّے کی نانی ہو۔ وہ تمہارا نواسہ ہے۔ جیون بھر شاید تم نے اپنے نواسے کو گود میں کھلانے کا سپنا دیکھا ہو اور آج تم اسے یتیم خانے کے پالنے میں چھوڑ آئی ہو! ذرا سوچو تو ماں! تمہاری بیٹی کا پہلا بچہ کس ماحول میں پلے گا۔ میں تم سے کہتا ہوں تم اس بچّے کو واپس لے جاؤ۔ اسے ماں کا پیار دو، نانی کا لاڈ اور چاؤ دو۔ اسے تمہارے گھر میں جینے کا اتنا ہی حق ہے جتنا تمہاری لڑکی کا۔ رہا شادی کا سوال، سو ہمارا دیش اب اتنا پچھڑا ہوا نہیں ہے۔ آج تمہیں اونچے آدرش رکھنے والے ایسے ہزاروں نوجوان مل جائیں گے جو تمہاری لڑکی کی دکھ بھری کہانی سن کر اس سے بیاہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

بڑی اچھی تقریر تھی، اس وقت خود اس تقریر کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری تقریر سن کر اس بڑھیا کے چہرے پر رونق آ گئی اور اس کی آنکھوں میں آشا کی کرنیں جھلکنے لگیں۔ اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور امید بھرے لہجے میں بولی ———

"بیٹا کیا تم ... تم ... میری بٹیا سے شادی کرو گے؟"

"میں"؟ میں ایک دم گھبرا گیا ——— "میری بات اور ہے، میرا مطلب ہے کہ.... میری شادی ہو چکی ہے"۔ میں نے صاف جھوٹ بول دیا۔

وہ بڑھیا میری طرف اس طرح دیکھنے لگی جیسے اپنے سامنے کسی دوسرے حرامی بچے کو دیکھ رہی ہو۔ بہت دیر چپ چاپ دیکھتی رہی۔ پھر جب میں نے اپنی آنکھیں نیچی کرلیں تو اس نے آہ بھر کر کہا ——— "ہے رام" اور اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھی اور میری طرف دیکھے بغیر وہاں سے چپ چاپ چلی گئی۔

میں پالنے کی طرف چلا آیا اور ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جہاں سے میں پالنے کو صاف دیکھ سکتا تھا لیکن کوئی دوسرا مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے اس بڑھیا کے سوال پر بڑا غصہ آیا تھا۔ ہننہ، گناہ کوئی کرے اور سزا میں بھگتوں؟ عیش کرے دوسرا اور قیمت چکاؤں میں؟ ایسا احمق میں نہیں ہوں!! اور پھر بھئی یہ کہاں کی تک ہے کہ جو کوئی اچھا مشورہ دے اسی کے گلے میں منڈھ دیا جائے وہ مشورہ! میرے کہنے کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ اس دیس میں سینکڑوں ایسے اونچے آدرش والے نوجوان ہوں گے۔ ۔ ۔ ۔ جو ۔ ۔ ۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اونچے آدرش والا نہیں ہوں۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ بھئی، میں نے اپنے من میں اپنی ہونے والی بیوی کی جو تصویر بنا رکھی ہے، وہ اس لڑکی سے الگ ہے اور یہ بات بھی ہے کہ ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ بھلا کوئی زبردستی ہے۔

لیکن مجھے ان عورتوں پر بڑا غصہ آرہا تھا جو ماں بن کر اپنی ممتا کو بھول جاتی ہیں، جو اپنے بچے کو دغا دے جاتی ہیں، اور اسے بے آسرا کر کے یتیم خانے کے پالنے میں چھوڑ جاتی ہیں۔ میں نے سوچا میں آج دن بھر اس پالنے کی چوکسی کروں گا اور اگر میں دن بھر میں ایک عورت کو بھی شرم دلا کر بچہ واپس لے جانے کے لئے مجبور کر سکا تو میری کاوش بے کار نہ رہ جائیگی۔

مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک نوجوان لڑکی آئی اور گرم کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک پارسل سا پالنے میں رکھ کر بھاگی۔ یکایک پارسل رونے لگا اور میں اس لڑکی کے پیچھے بھاگا۔ وہ لڑکی مجھے اپنا پیچھا کرتے دیکھ کر ایسی ہڑبڑائی کہ ایک سائیکل سوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دو چار گلیوں میں گھومتی گھامتی آخر میں وہ پچھواڑے کی اس سڑک پر آئی جو دریا گنج میں شہر کی پرانی فصیل کے کنارے کنارے جاتی ہے۔

وہ بار بار مڑ مڑ کر میری طرف دیکھتی جاتی اور میں اس سے چالیس پچاس فٹ کا فاصلہ رکھ کر اس طرح چل رہا تھا جیسے میں اس کا پیچھا کرنے کے لئے نہیں بلکہ چہل قدمی کے لئے اس کے پیچھے نکلا ہوں۔

دریا گنج سے باہر نکل کر وہ لڑکی فصیل کے باہر دیوار کے کونے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سامنے مرحوم آصف علی کا بت تھا۔ پاس والے میدان میں گھوڑوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ اس لڑکی کے بالکل نزدیک بائیں طرف ایک گہری کھائی تھی جسے میونسپلٹی والے بالکل بھول گئے تھے کہ کس مقصد کے لئے کھودی گئی تھی۔ داہنی طرف ایک فلم کا بہت بڑا اشتہار تھا "دل اپنا اور پریت پرائی"۔

میں بڑے اطمینان سے سگریٹ جلا کر آہستہ آہستہ اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا وہ منہ پھیرے کھڑی تھی۔

"ہیلو"! میں نے دھیرے سے پوچھا۔ "پریت پرائی کا نتیجہ کیا نکلا؟"

یکایک وہ میری طرف گھومی اور مجھ آگ برساتی ہوئی نظروں سے تکتے ہوئے بولی، "اگر تم نے میرا پیچھا کیا تو میں پولیس میں تمہاری رپورٹ کر دوں گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ تھانے چلو اور میری شکایت کر دو۔ اور میں

اس لڑکی کی شکایت کر دوں جو ابھی ابھی اپنا بچہ یتیم خانے کے پالنے میں رکھ کر آئی ہے۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟"

"ثبوت تو ڈاکٹر دیں گے"! میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی شعلے برساتی ہوئی نظریں بجھ سی گئیں، جیسے بجلی کا سوئچ ایک دم آف ہو جائے اس کے خوبصورت چہرے پر اندھیرا سا چھا گیا' اس کے نازک و پتلے ہونٹ کانپنے لگے اور اس نے دھیرے سے پوچھا "تم کتنا روپیہ چاہتے ہو؟"

"تم کتنا دے سکتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

ہمارے سامنے سے پولیس کا ایک سنتری ہمیں گھورتے ہوئے گذر گیا۔ وہ بیحد گھبرا گئی بولی۔

"چلو موٹر میں چل کر بیٹھو' وہاں باتیں کریں گے۔"

تو تم موٹر میں آئی ہو' میں نے دل ہی دل میں کہا' اور اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ جب میں چھوٹے سے پارک کو جس میں مرحوم آصف علی کا بت تھا' اس کے ساتھ ساتھ پار کر رہا تھا، تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اونچے پورے قد کی لڑکی ہے جس کی کمر بڑی دل کشی سے لچکتی ہے۔ جس کے بالوں میں شونتی کے پھول کی مہک آتی ہے' جس کی ساڑی کا کپڑا بے حد مہنگا ہے' جس کی کار کا ماڈل صرف دو سال پرانا ہے۔

پارک سے گذر کر ہم سڑک کو بھی پار کر گئے اور اس کی موٹر میں گھس کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھے۔ لڑکی نے بیٹھتے ہی اپنے کانوں کی بالیاں اتاریں' پھر اس نے اپنے ہات کا جڑاؤ کنگن اتارا اور اپنا پرس کھول کر اس میں سے پانچسو روپیہ نکالا۔ سب کچھ میرے ہات میں دیکر کہا "یہ لو سنبھالو ان کو اور میری جان بخشو"!

"یہ تو بہت کم ہیں" میں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"تو اور تم کیا لو گے؟" مغرور اور بد مزاج لڑکی نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں چاہتا ہوں، تم اپنے بچے کو واپس لے جاؤ۔"

"ناممکن ہے۔۔۔ میں کنواری ہوں۔"

"کنواری تو نہیں ہو۔ یوں کہو کہ تم بیاہتا نہیں ہو۔"!

"اچھا یوں ہی سہی۔۔۔ پھر؟"

"پھر تم اس لڑکے سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں، جس سے تمہیں اتنا پریم ہے۔ تم خوبصورت ہی نہیں، بے حد حسین ہو۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ وہ کیوں تم سے شادی نہیں کریگا۔"

"وہ تو شادی کرنا چاہتا ہے، مگر میں نہیں کرنا چاہا۔"! وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

"شاید اس واقعہ کے بعد تمہیں اس سے نفرت ہو گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مجھے تو اس سے گہری محبت ہے۔" وہ بولی۔

"تمہیں اس سے محبت ہے؟" میں حیران ہو کر چلایا۔ "وہ تم سے شادی بھی کرنا چاہتا ہے پھر تم کیوں نہیں کرتیں۔؟"

"کیونکہ وہ غریب ہے۔ میرا خرچ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تو تم اپنا خرچ کم دو۔"

"یہ ناممکن ہے۔" وہ لڑکی پھر دوٹوک لہجے میں بولی۔

"میری سب سہیلیوں نے بڑے بڑے لوگوں سے شادیاں کی ہیں میں بھی ویسا ہی کرونگی آخر میں نئی دلی میں ایک بہت بڑی نوکری کرتی ہوں میں ایک غریب آدمی سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔"

"آئی سی!" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو تم ایسا کرو کہ یہ بچہ جو تم دونوں کی محبت کا پھل ہے، اس کے باپ کو دیدو۔ میرا یقین ہے کہ وہ اسے تمہارے پیار کی آخری نشانی سمجھ کر نہیں

لوٹائے گا۔

"میں اسے یہ بچہ نہیں دے سکتی۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ یہ اس کا بچہ نہیں ہے جس سے مجھے محبت ہے۔"

"جس سے تمہیں محبت ہے" یہ اس کا بچہ نہیں ہے"؟ میں نے تعجب سے پوچھا" تو پھر یہ کس کا بچہ ہے"؟

"یہ میرے ایک دوست کا بچہ ہے۔"

"تو یہ بچہ تمہارا نہیں ہے؟"

"بچہ تو میرا ہے، لیکن اس سے نہیں ہے جس سے مجھے پریم ہے۔ اس بچہ کا باپ دراصل ایک بزنس مین ہے جو میرا دوست ہے۔"

"تو تم اس بزنس مین سے شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟ وہ تمہارا خرچ یقیناً برداشت کرلیگا اور اس غریب بچے کو اس کا باپ بھی مل جائے گا۔"

"نہیں میں اس بزنس مین سے شادی نہیں کر سکتی" وہ بڑے دھیرج اور شانتی سے بولی "وہ مجھے پسند نہیں ہے۔"

"جو تمہیں پسند ہے" اس کا یہ بچہ نہیں ہے اور جس کا یہ بچہ ہے وہ تمہیں پسند نہیں ہے، تو پھر تم شادی کرو گی تو کس سے کرو گی؟ تمہارا پرابلم تو بہت کٹھن ہوتا جا رہا ہے"!

"خوبصورت لڑکیوں کا پرابلم بہت جلد حل ہو جاتا ہے مسٹر"! وہ ہنسنے لگی اور اس کے خوشنما دانت کچھ لمحہ تک اس کے گلاب کی نازک پنکھڑیوں جیسے لبوں میں چمک گئے۔

وہ خوبصورت تو ضرور تھی مگر اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر سخت اور تیکھی چیزوں کا خیال

آتا تھا جیسے بلور، سونا، موتی، ہیرا۔ خوبصورت لیکن سخت!

اس نے میرا بازو تھپک کر کہا۔ "گھبراؤ نہیں مسٹر! میری چنتا نہ کرو، مجھے ضرور میرے مطلب کا شوہر مل جائے گا۔ ایسا، جو میرے غریب عاشق کی طرح خوبصورت اور میرے دوست بزنس مین کی طرح مالدار ہوگا اور میری پسند کا ہوگا"۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "اب تم اپنا مال اٹھاؤ اور گاڑی سے نیچے اتر جاؤ۔ جلدی کرو۔"

میں جم کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ "اچھا یہ بات ہے تو تم اس گاڑی سے نیچے اتر جاؤ۔"

"میں کیوں اتروں"؟ وہ حیران ہو کر بولی۔

"اس لیے کہ اگر تم اپنی پسند کی خاطر اپنے بچے کو قربان کر سکتی ہو تو تم کو اسی پسند کے لئے اس گاڑی سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے کیوں کہ یہ گاڑی مجھے پسند ہے۔ یہ گاڑی میرے نام لکھ دو ورنہ چلو تھانے۔"

"اے مسٹر! وہ لڑکی اک دم چیخ کر بولی" اس نے زور سے میری کلائی پکڑ لی اور اپنے لمبے لمبے ناخن اس میں گاڑ دیئے۔ "مسٹر میں تمہیں سب کچھ دے سکتی ہوں مگر یہ گاڑی نہیں دے سکتی۔ اس گاڑی کے لئے تو میں نے یہ بچہ پیدا کیا ہے۔ میری سب سہیلیوں کے پاس گاڑیاں ہیں۔ سب ہی اپنی اپنی گاڑیوں پہ اکڑا کر چڑھتی ہیں اور بات بات میں گاڑی کا رعب جتاتی ہیں۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ ان میں سے دو نے اسی طرح گاڑیاں حاصل کی تھیں جس طرح میں نے حاصل کی ہے.....

سو، ہاؤ کڈ آئی لو ریٹ اِٹ؟ میں نے بھی اس بزنس مین سے دوستی کر لی جو دو سال سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس گاڑی کے لئے تو میں نے یہ بچہ پیدا کیا ہے اور تم چاہتے ہو کہ میں یہ گاڑی تمہیں دے دوں؟ آر یو نٹس (Are you nuts?)

وہ لڑکی واقعی مجھ سے خفا تھی۔ اس کا سفید شفاف چہرہ اک دم سرخ ہو گیا وہ

میری طرف اتنی سخت نفرت سے دیکھ رہی تھی جیسے میں نے اس سے اس کی کار نہ مانگی ہو بلکہ اس کی عصمت مانگ لی ہو۔ وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ ۔ ۔ میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے اپنے ناخن میری زخمی کلائی سے باہر نکال لئے، پلکیں گالوں پر گرالیں اور بڑی کمزور آواز میں بولی "یہ گاڑی تو میں تمہیں نہیں دے سکتی اور تم جو چاہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میں نے جھنجلا کر کہا "اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب ہو جائے جس سے تمہاری جیسی مائیں بچے نہیں، بے بی آسٹین جنا کریں۔ ریڈیو جنا کریں، ریفریجریٹر جنا کریں۔ اگر ایسا ممکن ہو تو اس دنیا میں حرامی بچوں کی تعداد ایک حد تک کم ہو جائے گی۔"

یہ کہہ کر میں نیچے اترا اور اس گاڑی کا دروازہ زور سے بند کر دیا۔ پھر جلدی جلدی اپنے پالنے والے اڈے کی طرف چلا گیا۔

شام تک کوئی نہ آیا، پالنا خالی ہی رہا۔ رات کا اندھیرا بڑھتا گیا اور دل کا سناٹا گہرا ہوتا گیا۔ گلی کے کالے اور پھٹے ہوئے ہونٹوں میں بجلی کے دو چار پیلے پیلے بلب مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔

نو بجے کے قریب جب مجھے زور کی بھوک لگی تب میں نے واپس گھر کی طرف چلنے کی ٹھانی اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک میلے کچیلے لبادے میں لپٹی ہوئی ایک مریل سی عورت اس پالنے کے سامنے آکر رُکی، دیر تک رکی رہی۔ پھر اس نے جھک کر اپنے لبادے میں سے کچھ نکالا اور اس پالنے میں رکھ دیا۔ وہ دیر تک وہاں کھڑی رہی، پھر دھیرے دھیرے واپس ہونے لگی، سر جھکائے ہوئے۔

میں اس کا پیچھا کرنے والا ہی تھا کہ اس اندھیری چھایا میں وہ عورت پلٹتی ہوئی دکھائی دی، واپس آکر بچے کو اٹھایا اور گلے سے لگایا، پھر واپس چل دی۔ گلی کے موڑ پر پہنچ کر وہ پھر پلٹی، جلدی سے آکر

اس نے بچے کو پھر پالنے میں رکھ دیا اور تیز قدموں سے گلی سے باہر بھاگ گئی ۔

سنگھ برادرس کے موٹر مرمت کرنے والے گیرج کے پیچھے سے جو راستہ لال قلعہ کی فصیل کو جاتا ہے، ادھر جاتے جاتے میں نے پیچھے سے جھک کر چلنے والی عورت کا لبادہ کھینچ لیا۔ میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ میں جسے عورت سمجھ رہا تھا وہ ادھیڑ عمر کا مرد ہے۔ اس کے چہرے پر کئی دن کی بڑھی ہوئی داڑھی تھی اور اس کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں ۔

میں نے اس سے سخت لہجے میں پوچھا: "تم کس کا بچہ اس پالنے میں چھوڑ آئے ہو ؟"

کچھ لمحے وہ میری طرف بھٹی بھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا اور گڑگڑا کر کہنے لگا "مجھے معاف کردو حولدار جی" !

اس نے شاید مجھے سی۔آئی، ڈی کا کوئی افسر سمجھا تھا تبھی اس طرح گڑگڑا کر معافی مانگ رہا تھا۔ میں نے بھی اس کی غلط فہمی کو دور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر سختی سے پوچھا: "کس کا بچہ ہے وہ، فوراً بتاؤ ؟"

"میرا بچہ ہے"

"نہیں مائی باپ، میری بیوی کا بچہ ہے"۔

"تیری بیوی کا بچہ ہے، تو پھر تو اس پالنے میں کیوں چھوڑ آیا ہے ؟ تیری بیوی کیسی ماں ہے، اس نے تجھے اس بات کی اجازت کیسے دیدی ؟"

"میری بیوی مر چکی ہے حضور، دس دن ہوئے ایک مہینہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی گھر میں جو کچھ تھا وہ اس کے کریا کرم میں لگ گیا۔ چھ مہینے سے میں بے کار ہوں کہیں کوئی کام نہیں ملتا۔ گھر میں پانچ بچے ہیں، یہ چھٹا ایک مہینہ کی ننھی سی جان کل رات سے بھوک سے بلک رہا تھا تین دن سے گھر میں فاقہ ہے مگر کسی نہ کسی طرح ہم اس کے لئے دودھ لاتے رہے تھے۔ لیکن کل رات سے اس کے

لئے دو گھونٹ دودھ بھی نہیں مل سکا، یہ کیسی دنیا ہے مالک؟ یہاں ننھے بچے کے لئے دودھ بھی نہیں ہے۔ تین دن سے میرے سب بچے میرے ساتھ فاقے کر رہے ہیں۔ وہ مر جائیں گے میں جانتا ہوں، وہ مر جائیں گے، میں بھی مر جاؤں گا۔ میں نے سوچا یہاں اس یتیم خانے میں یہ سب لوگ اس کی پرورش تو کر سکیں گے، اس لئے ایک ماہ کی اس ننھی سی جان کو پالنے میں ڈال آیا ہوں۔۔۔"

"تمہیں معلوم ہے وہاں وہ کیسے رہے گا؟ اپنے ماں باپ ہوتے ہوئے بھی ساری زندگی بن ماں باپ کا کہلائے گا۔"

"مگر زندہ تو رہے گا حوالدار جی! زندہ تو رہے گا۔"

اس بڈھے نے ڈبڈبائی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

. . . .

آدھی رات!

پالنا خالی ہے، انسان کے دل کی طرح، انسان کی بھوک کی طرح، میں بہت تھک گیا ہوں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اسے دیکھ کر گھر بھی جانا نہیں چاہتا۔ میں اسی پالنے میں گر کر سو جانا چاہتا ہوں۔ مگر یہ پالنا بہت چھوٹا ہے اور ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں۔

●

کتوں کے لئے بھی فیملی پلاننگ

Family P

...ment managed by the Veter...
Department will launch
project of castrating [illegible]
in a limited area.

کتا پلاننگ

"سب سے پہلے ڈپٹی منسٹر نے فیملی پلاننگ کے منسٹر سے کہا۔ آپ نے آج کا اخبار دیکھا ہے؟"
فیملی پلاننگ کے منسٹر نے ایک لمبی سی جمائی لیکر کہا۔ "آج کونسی تاریخ ہے؟"

"۲۴ر جنوری"

"گڈ گاڈ! کیسے دن گذر جاتے ہیں کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔" فیملی پلاننگ کے منسٹر نے ایک لمبا سگار
نے منہ میں لیکر کہا۔ "ابھی کل ہی تو نیا سال شروع ہوا تھا۔ کیسی عمدہ پارٹی تھی' آپ کو یاد ہوگا۔ مسز
سکھانی کتنی خوب صورت ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔"

"آج کے "ٹائمز" میں صفحہ سات پر ایک اہم خبر ہے۔" ڈپٹی منسٹر نے پھر یاد دلایا۔

"میں صرف وہی اخبار پڑھتا ہوں جس میں میری تقریر چھپتی ہے' اور ابھی دو دن سے میں نے
تقریر نہیں کی لہذا کوئی اہم خبر بھی کیا ہو سکتی ہے۔؟" منسٹر ایک طویل کش لگاتے ہوئے بولے۔

ڈپٹی نے خبر پڑھ کر سنائی۔ "علی آباد کے مقام پر جو جام نگر سے نو میل کے فاصلے پر ہے'
ایسا تجربہ کیا جا رہا ہے جس سے کتوں میں فیملی پلاننگ ہو سکے گی۔"

اس پراجیکٹ کے شروع کرنے والے چاہتے ہیں کہ کتوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکا
کیوں اس علاقے کے لوگ کتوں کو جان سے مار دینے کے حق میں نہیں ہیں۔

محکمہ حفظان صحت میونسپل ڈیپارٹمنٹ کی مدد سے یہ پراجیکٹ شروع کرے گا، جس کے

ذریعہ ایک محدود علاقے کے کتوں کو آپریشن کے ذریعہ نامرد بنا دیا جائے گا۔"

"احمق" فیملی پلاننگ کے منسٹر نے خبر سن کر کہا۔ "انسانوں میں فیملی پلاننگ تو ٹھیک طرح سے نہیں رہی، تو کتوں میں کیا ہو گی۔ بے کار میں پبلک کا روپیہ ضائع جائے گا۔"

"بالکل درست ہے" ڈپٹی منسٹر نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "خود میں نے یہ چاہا تھا پھر خیال آیا کہ ہمارے ہاں بھی فیملی پلاننگ کامیاب نہیں ہے اور نئے بجٹ کے موقع پر کسی کارگذاری دکھانے کی بھی ضرورت محسوس ہو گی، اسی لئے میں نے اس خبر کو اس قدر اہم سمجھا ہے

ڈپٹی منسٹر چپ ہو گیا۔

"ہوں" فیملی پلاننگ کے منسٹر ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کافی غور و خوض کے بعد بولے "خیال برا نہیں ہے، آخر صوبے میں کتے تو ہوں گے۔"

"ضرور ہوں گے۔" ڈپٹی منسٹر نے کہا۔ "گو میں نے آج تک کسی کتے کو انٹرویو نہیں دیا انسانوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ ۔ ۔ مگر ہوں گے ضرور۔ کیا خیال ہے؟ چیف سیکریٹری سے مشورہ کیا جائے اس معاملہ میں؟"

جواب میں فیملی پلاننگ کے منسٹر نے چیف سیکریٹری کو فون کر کے اسے اپنے کمرے میں بلا چیف سیکرٹری خبر پڑھ کر اور تجویز سن کر خاموش ہو گیا۔ کسی مسئلے پر رائے دینے سے پہلے وہ خاموشی پسند کرتا تھا۔ چاہے وہ وزیروں کی عقل ہو یا کتوں کا مستقبل ہو۔

ایک لمبے سکوت کے بعد وہ بولا "کتوں سے میری ملاقات زیادہ نہیں ہے، کیونکہ مجھے ہی سے طوطے پالنے کا شوق رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس سلسلے میں اگر جائنٹ سیکریٹری سے بھی کر لیا جائے تو بہتر ہو گا۔ ان کے گھر میں پانچ کتے ہیں۔

جب جائنٹ سیکریٹری کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو وہ چوکنا ہو کر کہنے لگا "معا

بن کتوں کو میں جانتا ہوں وہ بڑے ارسٹوکریٹ قسم کے ہیں۔ میں نے ان کی دیکھ بھال کیلئے
یک ملازم رکھا ہوا ہے۔ میرے کتے وقت پر سوتے ہیں، وقت پر جاگتے ہیں۔ وقت پر نہلتے
ں، وقت پر کھانا کھاتے ہیں، وقت پر سیر کو جاتے ہیں، اپنی سوجھ بوجھ میں وہ تقریباً انسان ہیں
یسے ارسٹوکریٹ کتوں کی فیملی پلاننگ پر بہت زیادہ خرچ اٹھے گا۔"

" ارے بھائی"! ڈپٹی منسٹر بولے۔ " ہم کوٹھیوں کے کتوں کی بات نہیں کرتے۔ ظاہر ہے
ہیں کسی فیملی پلاننگ کی ضرورت نہیں ہے، چاہے وہ انسان ہوں یا کتے! لیکن اگر وہ کسی کوٹھی یا
ٹلہ میں رہتے ہیں تو اس پلاننگ کی زد میں نہیں آتے۔ یہاں بات بازاری کتوں کی ہو رہی ہے
را مطلب کتوں کی عام جنتا سے ہے۔"

" میرا خیال ہے" جوائنٹ سکریٹری بولے۔ " انڈر سیکریٹری صاحب کو بلا لیا جائے۔ میں
ول لائنز میں رہتا ہوں وہ شہر میں رہتے ہیں۔ بازاری کتوں کے بارے میں ان کی جانکاری زیادہ ہوگی۔"

انڈر سیکریٹری جب اس کانفرنس میں شریک ہوئے تو تجویز سنتے ہی اچھل پڑے۔ کیونکہ اپنی
گی میں کئی مرتبہ بری طرح کتوں سے پٹ چکے تھے اور ایک دفعہ حلوائی کے کتے نے انہیں اس زور
، کاٹ لیا تھا کہ ابھی تک ٹخنے کے قریب اس زخم کا نشان باقی تھا۔

" میرا اندازہ ہے اس اکیلے شہر میں دو لاکھ کتے ہوں گے اور اتنی ہی کتیا ہوں گی۔
، اگر ایک کتیا سال میں پانچ بچے بھی دے اور ان میں سے صرف تین بچے بھی زندہ رہیں تو
ھیے ہر سال کتوں کی تعداد دگنی ہو جاتی ہے۔ اجی صاحب میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر اس شہر میں کتے
، رفتار سے بڑھتے رہے تو دس سال کے عرصے میں اس شہر میں کتوں کی آبادی انسانوں کی
ی سے زیادہ ہو جائے گی۔ ہمیں ضرور اس سلسلے میں کوئی فوری قدم اٹھانا چاہیے۔ ذرا سوچیے
ہی ان لاکھوں کتوں پر کتنا اناج ضائع ہوتا ہے، کتنی بیماریاں پھیلتی ہیں، کتنی سڑکیں گندی

ہوتی ہیں، کتنے انسان ہائیڈروفوبیا سے مرجاتے ہیں، کتا انسان کا بدترین دشمن ہے حضور میرا تو اندازہ ہے سرکار کہ اگر کتوں کی فیملی پلاننگ کردی جائے تو انسان کی فیملی پلاننگ کی ضرورت ہی نہ رہے۔"

"ہیئر! ہیئر!! وزیراعلیٰ تالی بجا کر بولے۔" میں بالکل یہی سوچ رہا تھا اور اسی خیال کے تحت میں نے تم لوگوں کو اس کانفرنس میں شریک کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب بات بالکل واضح اور صاف ہو چکی ہے اور جیسا کہ میں نے شروع میں سوچا تھا۔ ہمیں فوراً کتوں کی فیملی پلاننگ پوجنا شروع کردینی چاہئے اور جیسا کہ ابھی میں نے کہا ہے کہ اگر کتوں کی فیملی پلاننگ کامیاب ہوگی تو ہمیں انسانوں کی فیملی پلاننگ کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ آپ لوگ اس خیال کو مدنظر رکھ کر یہ پوجنا شروع کیجئے اور سب سے پہلے اس کے بارے میں ایک پمفلٹ شائع کیجئے جس کے سرورق پر ایک طرف میری تصویر ہو۔"

"اور دوسری طرف ایک کتے کی۔" ڈپٹی منسٹر نے تجویز پیش کی۔

منسٹر اعلیٰ نے گھور کر ڈپٹی منسٹر کی طرف دیکھا۔ پھر فوراً ہی بولے۔" آں! ہاں، نہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، صرف میری تصویر ہی کافی ہے۔"

"لیکن ایک پمفلٹ شائع کرنے سے کام نہ چلے گا۔" چیف منسٹر نے غور کرتے ہوئے کہا اس کے لئے ہمیں بجٹ منظور کرنا پڑے گا اور نیا اسٹاف رکھنا پڑے گا۔ آخر وہی لوگ انسانوں کی فیملی پلاننگ کرتے ہیں، کتوں کی فیملی پلاننگ میں کام نہیں کر سکتے۔ انسانوں اور کتوں کی عادات میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔"

"ایسا کچھ ایسا بھی فرق نہیں ہوتا ہے۔" ڈپٹی منسٹر بولا۔

"نہیں، نہیں، انڈر سکریٹری ٹھیک کہتا ہے۔" منسٹر بولے۔

"ہمیں اس کے لئے بالکل نیا بجٹ اور نیا اسٹاف رکھنا پڑے گا۔ سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس یوجنا کا انچارج ایک ایسا آدمی ہو جو کتّوں کے بارے میں مکمل واقفیت رکھتا ہو"۔

انڈر سکریٹری بولا "میرا ایک بھتیجہ ہے"۔

جائنٹ سکریٹری بولا "میرا ایک بھائی ہے"۔

چیف سکریٹری بولا "میرا نواسا ہے"۔

وزیر بولا۔ "میرا ایک داماد ہے"۔

وزیر صاحب کے بعد پھر کوئی نہیں بولا۔ وزیر نے آخری سچائی کہہ دی تھی اور سچائی کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے ـــــ چنانچہ مجھے دوسرے دن ہی سے نوکر رکھ لیا گیا۔

(۲)

وہ لوگ بکواس کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے اس لئے نوکری مل گئی کہ میں منتری کا داماد تھا۔ میں دراصل اس کام کے لئے نہایت ہی موزوں آدمی ہوں۔ ایک تو میں جانوروں کا وٹرنری ہوں۔ یعنی ڈنگر ڈاکٹر ہوں۔ جانوروں کی نفسیات کے بارے میں جتنا علم مجھے ہے اور کسی کو نہ ہوگا پھر میں جانوروں کی بولی سمجھتا ہوں، اور اس زمانے میں جب کہ بیٹا باپ کی بولی نہیں سمجھتا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔

دو اردلیوں، دو خلاصیوں، دو کمپاؤنڈروں اور ایک چلتی پھرتی آپریشن گاڑی سے لیس ہو کر میں نے ایک کتے کو گلی کے نکڑ پر جا گھیرا جو ایک کتیا کے پیچھے پیچھے بھاگا جا رہا تھا۔ کتے نے ہم سب کی طرف غور سے دیکھا۔ آخر وہ سمجھ گیا کہ ان سب میں سے صرف میں

ہی اس سے بات کرنے کا اہل ہوں۔ لہٰذا وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں تمہارا آپریشن کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے جواب دیا۔

"کیوں"؟

"تاکہ تم مزید بچے پیدا نہ کر سکو۔"

"ہمارے بچوں سے تمہیں کیا پریشانی ہوتی ہے؟"

"ان کے لئے ہم کھانا کہاں سے لائیں گے۔" میں نے کتے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اس شہر میں دو لاکھ کتے ہیں۔ اگلے پانچ سال میں دس لاکھ ہو جائیں گے۔ ہم اِن دس لاکھ کتوں کے لئے کہاں سے غذا لائیں گے۔ اپنے بچوں کا ہی پیٹ بھرنا مشکل ہو رہا ہے، اس لئے تمہارا آپریشن ہونا بہت ضروری ہے۔"

کتے نے کہا۔ میں کب منع کرتا ہوں۔ اگر ہماری نسل کشی سے انسانی نسل کا مستقبل محفوظ ہے تو کتے انسان کی خاطر یہ قربانی دے دیں گے۔ لیکن اگر غور سے میری بات سنو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ بے کار کا بکھیڑا پال رہے ہو۔ کتوں کو ختم کر دینے سے تمہارا کوئی لابھ نہ ہوگا۔

"وہ کیسے"؟

"کتوں کو ختم کر دینے سے بلیوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور تمہیں معلوم ہے بلیاں کتنی جلدی بچے دیتی ہیں؟ اور ہم لوگ تو پھر بھی تمہاری جُوٹھن پر گذارا کرتے ہیں، بلیاں تو سیدھی تمہارے کچن میں گھس کر زبردستی سے دودھ پی جاتی ہیں کچھ معلوم بھی ہے۔"

کتے نے بات معقول کہی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ روداد اپنے ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسروں کے سامنے رکھی، تو ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ فی الحال کتوں کی فیملی پلاننگ

ملتوی کر کے بلیوں پر حملہ کیا جائے۔ چنانچہ مجھے نئے آڈر دیئے گئے، نیا عملہ دیا گیا۔ نیا بجٹ منظور کیا گیا جس میں سے پھر ایک نیا پمفلٹ شائع کیا گیا۔ نام تھا "بلیوں کی فیملی پوجنا"

آٹھ دس روز کی کوشش کے بعد ہم لوگ ایک موٹے تازے بلّے کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے وہ پہلے تو بہت دیر تک ہمیں دیکھ کر غراتا رہا اور پنجے نکال نکال کر خُر خُر کرتا رہا آخر میں بے حد غصّہ سے مجھے گھور کر بولا۔

"میاں ہمیں جانتے نہیں ہو، میری جو بیوی ہے وہ وزیر تعلیم کی پالتو بلّی ہے۔ اپنی نوکری چاہتے ہو تو مجھے فوراً چھوڑ دو، ورنہ شکایت کر دوں گا۔"

مجھے بھی غصّہ آگیا میں نے کہا۔ "میاں بلّے! تم ہو کس خیال میں۔ اگر تمہاری بیوی ایک وزیر کی بلّی ہے تو میں بھی ایک وزیر کا داماد ہوں۔ میں تمہارے وزیر کا دبیل نہیں ہوں جو تم سے ڈر جاؤں گا۔"

اس پر وہ مغرور بلّا کچھ ڈھیلا پڑا، پوچھنے لگا۔ "آخر تم کیا چاہتے ہو"؟

اس پر میں نے اسے اپنی اسکیم سمجھائی۔ اسکیم سن کر وہ بولا۔ "تو تم نے انسانوں کی فیملی پلاننگ کو کتوں کی فیملی پلاننگ میں بدل دیا اور اب کتوں کی فیملی پلاننگ کو بلیوں کی فیملی پوجنا میں بدل دینا چاہتے ہو، تاکہ اس دنیا میں بلیاں تمہارے بچوں کی غذا نہ ہڑپ کر جائیں۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو تم، یہی خیال ہمارا ہے۔" میں نے اس مغرور بلّے کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم تو تمہاری جان لینا نہیں چاہتے۔ ہم عدم تشدد پر یقین رکھتے ہیں اور اس آپریشن سے تمہیں کوئی خاص تکلیف بھی نہ ہوگی بس ذرا دو منٹ کے لئے تھوڑی تکلیف ہوگی اور اس کے بعد آٹھ دن تک تمہیں ہر روز ایک گولی کھانی ہوگی نہار منہ ناشتے سے پہلے۔"

"بہت اچھا۔" بلّا بولا۔ "انسانی آبادی کے محفوظ مستقبل کے لئے ہم لوگ اپنے بچوں کا مستقبل ختم

کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر بس اتنا یاد رکھو کہ اگر تم نے ہمیں ختم کر دیا تو تمہارے بچوں کا مستقبل پہلے سے زیادہ خطرے میں پڑ جائے گا۔"

"وہ کیسے؟" میں نے بلے سے پوچھا۔

وہ بولا۔ "یہ سوچو کہ اگر اس دنیا میں بلیاں نہ رہیں گی تو پھر چوہوں کا کیا ہوگا۔ آج بھی انسان کی خوراک کا چوتھا حصہ چوہے کھا جاتے ہیں اور اس کے عوض کیا دیتے ہیں تمہیں؟ پلیگ۔ سوچو اور غور کرو اگر ہم بلے نہ ہوں تو اکیلے اسی شہر میں ایک سال میں ایک کروڑ چوہے بڑھ جائیں۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔

"اس لئے اگر تم جانوروں ہی کی فیملی پلاننگ شروع کرنا چاہتے ہو تو چوہوں سے شروع کرو۔"

جب اس عقلمند بلے کی بات میں نے وزیر صاحب کو سمجھائی تو فوراً کرسی سے اچھل پڑے، بولے میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا، بالکل ٹھیک کہتا ہے وہ بلا۔"

ایک بار پھر ہم لوگوں نے اپنی اسکیم بدل دی۔ نیا اسٹاف رکھا گیا، نیا بجٹ منظور کیا گیا، نیا پمفلٹ چھاپا گیا۔ "چوہوں کی فیملی پلاننگ۔"

اس دفعہ ہم سب لوگ بالکل مطمئن تھے کہ اب ہم ٹھیک راستے پر ہیں اور اب سب کام قاعدے سے ہوگا اور جلدی ہوگا۔

مگر بہت جلد ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس کام میں تو بہت دشواری ہے۔ سب سے پہلے تو ہمارا جھگڑا میونسپل کارپوریشن کے کارندوں سے ہوا۔ جب ہمارے عملے کے لوگ چوہے پکڑنے گئے تاکہ ان کا آپریشن کیا جا سکے۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ شہر کے تمام چوہے میونسپل کارپوریشن کے قبضہ میں ہیں اور ہمارا تو ان پر کوئی حق نہیں ہے اور جب تک میونسپل کمیٹی اجازت نہ دے ہم قانونی طور پر ایک چوہے کا بھی آپریشن نہیں کر سکتے۔ اس پر ہمیں بہت غصہ آیا۔ ہمارے محکمے کے وزیر نے کارپوریشن

کے میئر کو لکھا اور میئر نے محکمے کے وزیر کو لکھا۔ اس طرح کئی مہینے گذر گئے۔ کارپوریشن والے چاہتے تھے کہ شہر کے چوہے ہمارے حوالے نہ کئے جائیں بلکہ سیدھے سیدھے مار دیئے جائیں۔ جیسا کہ اب تک ہوتا چلا آیا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ چوہوں کو جان سے مارنے کے بجائے ان کا آپریشن کر دیا جائے تاکہ مزید چوہے پیدا نہ ہوسکیں اور ہماری فیملی پوجنا کامیاب ہو۔

ڈیڑھ سال تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ آخر میں اوپر سے یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے کارپوریشن چوہوں کو جان سے مار دے بعد میں وہ چوہے ہمارے حوالے کر دیئے جائیں تاکہ ہم ان کا آپریشن کر دیں۔ اوپر والوں نے دونوں محکموں کی بات رکھ لی تھی۔

مگر مردہ چوہوں کا آپریشن کرنا بیکار ہوتا، اس سے ہماری پوجنا خطرے میں پڑ جاتی۔ لہٰذا ہمارے وزیر صاحب نے مجھے بلا کر سمجھایا "بیکار جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ، شہر کا میئر بھی اپنا آدمی ہے یہ اس کے پرسٹیج کا معاملہ ہے اگر وہ شہر کے چوہے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو رکھ لے، تم دیہات میں جاؤ میں نے سنا ہے کہ گاؤں میں بھی چوہے ہوتے ہیں۔"

"ہوتے تو ہیں۔" میں نے کہا۔ "مگر شہر سے ڈبل ہوتے ہیں بہت بڑے ہوتے ہیں اور بہت خطرناک ہوتے ہیں، مجھے اس کے لئے اور اسٹاف چاہیئے۔"

"اور اسٹاف بھی لے لے۔"

"گاؤں میں جانے کے لئے دو جیپیں چاہئیں۔"

"دو جیپیں بھی لے لے۔ مگر اب شہر کے چوہوں کا خیال چھوڑ دے اور دیہات کے چوہوں کی طرف رخ کر۔"

میں نے کہا۔ "شہر کے چوہے بڑے مہذب ہوتے ہیں۔ فیملی پوجنا کی بات بہت جلد انکے سمجھ میں آجاتی ہے۔ مگر اب ان گنوار دیہاتی چوہوں کو سمجھانے کے لئے مجھے زیادہ پروپیگنڈ کرنا پڑیگا۔"

"ایک اور نیا پمفلٹ چھپوا لے تو۔ ان دنوں میری ایک نئی تصویر بھی آئی ہے۔" وزیر نے مجھے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

ایک دن جب سامان مکمل طور پر تیار ہو گیا تو ہم لوگ کیل کانٹے سے لیس ہو کر باہر دیہات میں چوہوں کی فیملی پلاننگ شروع کرنے کے لئے گئے۔

مگر گاؤں والوں نے ہمیں کھیتوں کے نزدیک بھی نہ جانے دیا، وہیں سڑک کے کنارے روک دیا اور لاٹھیاں لیکر کھڑے ہو گئے۔

ان کا سردار بولا:" چوہوں کی فیملی پلاننگ؟ کیا احمق ہو، جانتے نہیں ہو کہ اگر چوہے ہمارے کھیتوں میں نہ رہیں تو ہمارے کھیتوں کی آدھی فصل کیڑے مکوڑے کھا جائیں۔ یہ تو چوہے ہیں جو دن رات ہمارے کھیتوں میں بل بنا کر ان کیڑے مکوڑوں کو کھاتے رہتے ہیں اور ہماری فصل کو تباہی سے بچاتے رہتے ہیں۔ ہم ان کی فیملی پلاننگ نہ ہونے دیں گے، ہرگز ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ بھاگ جاؤ۔"

'عجیب مصیبت ہے'، میں نے اپنے دل سے کہا۔ اگر ہم کتوں کی پلاننگ کرتے ہیں تو بلیاں بڑھ جاتی ہیں، بلیوں کی روک تھام کرتے ہیں تو چوہے بڑھ جاتے ہیں، چوہوں کو ختم کرتے ہیں تو کیڑے مکوڑے بڑھ جاتے ہیں۔ کریں تو کیا کریں؟

ہم وہاں سے تو بھاگ لئے مگر کسی کے ڈرانے دھمکانے سے بھلا ہماری فیملی پلاننگ کا کام رک سکتا ہے؟ یہ تو سرکاری کام ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ ایک پلاننگ نہ ہو گی تو اس کی جگہ دوسری پلاننگ ہو گی۔ چنانچہ اب ہمارے محکمے کی طرف سے بہت جلد کیڑوں مکوڑوں کی فیملی پلاننگ شروع ہونے والی ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے مخالفین نے ابھی سے داؤ پیچ دکھانے شروع کر دیئے ہیں۔ محکمہ زراعت نے ایک زبردست پروٹسٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ وہ ریشم کے کیڑوں کی فیملی پلاننگ کبھی نہ ہونے دیں گے اور بہت سے سرکاری افسروں نے اس کی تائید کی ہے۔ غالباً یہ

سوچ کر کہ سرکاری افسر بھی ایک طرح سے ریشم کے کیڑے ہی ہوتے ہیں۔

مگر بھلا کسی کے ڈرانے دھمکانے سے ہماری فیملی پوجنا کا کام رک سکتا ہے؟ نیا پمفلٹ چھپ رہا ہے، نیا بجٹ منظور ہو چکا ہے، نیا عملہ رکھا جا چکا ہے اور اس سال تو میں نے بھی اپنی تنخواہ خاص طور پر بڑھوالی ہے کیوں کہ میرے گھر میں خوشی ہونے والی ہے۔

ملکہ کی آمد

شیطان ٹائمز کے ایڈیٹر نے مجھ سے کہا: "تم سیدھے پالم چلے جاؤ اور ملکہ کی استقبالیہ تیاریوں کے سلسلے کی پوری رپورٹ مجھے لا کر دو۔"

شیطان ٹائمز کے دفتر میں میری ملازمت کا یہ پہلا دن تھا۔ بڑی سفارشوں کے بعد مجھے رپورٹر لیا گیا تھا۔ یہ درست ہے کہ اس سے پہلے میں نے کسی اخبار میں کام نہیں کیا تھا ــــ!

"مگر اس سے کیا ہوتا ہے"؟ کالی عینک والے گنجے ایڈیٹر نے مجھے ہمدردی سے سمجھاتے ہوئے بتایا۔ "اخبار کا رپورٹر تو پیدائشی رپورٹر ہوتا ہے۔ اس کی ناک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ جنگل میں بھی خبر سونگھ سکتا ہے۔"

میں نے خبر سونگھنے کے لئے اپنے نتھنے پھلائے۔

"عامیانہ قسم کی رپورٹنگ تو ہر رپورٹر کر سکتا ہے لیکن اگر ترقی کرنا چاہتے ہو تو دھانسو قسم رپورٹنگ کرو۔ اک دم سنسنی خیز، اک دم دھانسو۔" ایڈیٹر نے اپنا مکا ہوا میں لہرایا۔

جواب میں میں نے بھی اپنا مکا ہوا میں لہرایا۔

"شاباش! اب تم جا سکتے ہو۔" ایڈیٹر یکایک اپنی کرسی پر بیٹھ گیا جیسے اس کی ساری انرجی ختم ہو چکی ہو۔ "جاتے جاتے کینٹین سے میرے لئے ایک چائے بھولتے جاؤ۔"

میں ابھی پالم ایئرپورٹ پر پہنچا بھی نہ تھا کہ میں نے اسے پالم کے قریب کے کھیتوں میں دیکھ لیا وہ ایک بہت بڑے نیم تلے کنوئیں کے قریب کھڑی اپنے بیلوں کو پانی پلا رہی تھی۔ دراز قد گورا رنگ شاہانہ وقار .. .. میں تو اسے دیکھتے ہی مبہوت ہو گیا اور ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کے لئے تو اس نے مجھے دیکھنے دیا پھر اس نے بیلوں کو مارنے والی سونٹی اٹھائی اور میں نے چونک کر اس سے پوچھا۔

"تمہارا نام .. .. .. ؟"

وہ بولی "میرا نام ملکہ ہے .. .. "!

"ملکہ .. .. "؟

"ہاں ملکہ .. .. "!

"کتنے بچے ہیں تمہارے ؟"

"تین"!

میرا دل دھڑکنے لگا، یہ وہی ہے، بالکل وہی ہے، عین سن وہی، صورت وہی، وہی قد، وہی رعب، وہی شاہانہ انداز۔

"میں نے سامنے کے وسیع کھیتوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا" کیا یہ ۔۔۔ یہ سب کھیت تمہارے ہیں۔ ؟"

"ہاں، یہ سامنے تمہیں جتنے کھیت نظر آتے ہیں ہمارے ہیں" وہ شاہانہ تمکنت سے بولی۔

"وہی ہے، بالکل وہی ہے" میرے دل نے گواہی دی اور میں فوراً ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے دو زانو ہو گیا اور سر جھکا کر مودبانہ لہجے میں بولا۔

"ملکہ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں"

"کون"؟

"دلی شہر والے.. .. ..دلی شہر کے لوگ آج تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مگر میں تو آج تک کبھی دلی شہر نہیں گئی۔ وہاں کسی کو نہیں جانتی"۔

دلی شہر کبھی نہیں گئیں.......تو تو یہ بالکل وہی ہے.. .. ..بالکل وہی ہے میرے دل نے تقریباً چیخ کر مجھ سے کہا۔

"مگر میرے کھیتوں کا اناج وہاں جاتا ہے اور میرے کھیتوں کی سبزی ترکاری بھی"۔ وہ خود ہی بول پڑی۔

"دلی شہر کے لوگ بڑے نمک حلال ہیں ملکہ، انہوں نے برسوں تمہارا نمک کھایا ہے۔ تمہاری روٹیاں توڑی ہیں، تمہاری سبزی ترکاری استعمال کی ہے اور آج سب لوگ تمہارا سواگت کرنے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں۔ وزیروں سے لیکر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تک ہر شخص تمہیں ایک پل دیکھ لینے کے لئے بے قرار ہو رہا ہے"۔

"مجھ.. .. ..؟ وہ ہنسی اور اس نے اپنی پتلی چھڑی اپنے موتیوں کی طرح سپید دانتوں میں داب لی اور بولی"۔ مجھے بھلا وہ کیوں دیکھنا چاہیں گے"۔

"کیوں کہ تم ملکہ ہو"۔ میں نے دونوں ہاتھوں کو زور سے پھیلا کر اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چلا کر کہا۔ "اور آج دلی تمہارے شاہانہ استقبال کے لئے دلہن کی طرح بنی کھڑی ہے"۔

اسے میری بات کا یقین آگیا۔ بیلوں کو نیم کے پیڑ سے باندھ کر بولی بچوں کو بھی لے چلوں؟

"ہاں۔ ہاں۔ کیا مضائقہ ہے"۔ میں نے کہا۔ "تینوں شہزادوں کو ساتھ لیتی چلو، دلی

والوں کے دل میں ملکہ کے شہزادوں کے لئے بڑی عزّت ہے"۔

جب ہم پالم سے پیدل چل کر دلی گیٹ پہنچے تو تینوں شہزادے بہت تھک چکے تھے ایک تو تقریباً لنگڑا رہا تھا، دوسرے کو ملکہ نے اٹھا رکھا تھا، تیسرے کو میں نے اپنے کندھے پر جگہ دی تھی۔

اتفاق سے دلی گیٹ پر مجھے اپنی پہچان کا ایک اسکوٹر والا مل گیا۔ وہ ہمیں نہایت سستے داموں کناٹ پلیس لے گیا۔ راستے میں اردن ہسپتال کے قریب درختوں پر رنگ برنگ قمقمے دیکھ کر شہزادے بہت خوش ہوئے دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر بولے۔

"آپاجی — ہم تو چمکنے والے پھل کھائیں گے"۔

میں نے کہا۔ "معصوم شہزادو۔ یہ پھل نہیں ہیں، یہ بجلی کے دئیے ہیں جو تمہاری آمد کی خوشی میں لگائے گئے ہیں"!

"اور یہ رنگا رنگ جھنڈیاں؟" ملکہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

"سب آپ کے لئے ملکہ! سب آپ کے لئے ہے"۔

اردن ہسپتال سے آگے نکلے تو رام لیلا گراؤنڈ میں لاتعداد روشنیاں تھیں اُن گنت مائیک تھے۔ ایک خوبصورت راجیونی برجی تھی۔

"یہ کس کے لئے؟" ملکہ نے پھر پوچھا

"یہ بھی آپ کے لئے"۔ میں نے عرض کیا۔

آگے چلے تو کناٹ پلیس پہنچ گئے۔ کناٹ پلیس کی سج دھج دیکھ کر ملکہ بہت خوش ہوئیں یونائیٹڈ کافی ہاؤس کے قریب پہنچ کر فرمانے لگیں۔

"مجھے نہیں معلوم تھا دلی والے دل کے اتنے اچھے ہوں گے ورنہ میں بہت پہلے یہاں آتی

کئی بار میرے خاوند نے مجھ سے کہا، دلّی چلو۔ مگر میں ہمیشہ ٹال گئی۔"

"کیوں"؟

"کھیتوں میں بہت کام تھا۔" ملکہ بڑی سادگی سے بولی۔

"اور اب وہ کہاں ہے؟ تمہارا خاوند؟"

"آزادی کے فسادوں میں مارا گیا تھا۔ ان دنوں ہمارے گاؤں کے بہت سے مسلمان مار ڈالے گئے تھے کیوں کہ گاؤں کا چودھری ہماری زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میرے خاوند کی وفات کے بعد جب وہ میرے کھیتوں پر قبضہ کرنے آیا تو میں اپنے خاوند کا کلہاڑا لے کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔" جو آگے بڑھے گا اسی کا سر سب سے پہلے کٹے گا۔

"پھر... ..."؟ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پھر کیا"؟ ملکہ ان دنوں کو یاد کر کے سر سے پاؤں تک غصّے کی آگ میں دہکنے لگی۔

میں اس کا شاہانہ جلال دیکھ کر کانپ گیا۔ پانچ فٹ دس انچ کی بھرپور توانا عورت میری طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے مجھے کچا ہی کھا جائے گی۔ خوش قسمتی سے میری گھبراہٹ دیکھ کر اس نے اپنا لہجہ بدل دیا۔ آہستہ سے بولی۔

"میرا غصّہ دیکھ کر چودھری کا رنگ اڑ گیا، اور وہ سر جھکائے میرے کھیتوں سے باہر نکل گیا۔ اور یہ بالکل سچ تھا۔ اس وقت جو بھی آگے بڑھتا میں اس کا سر بھٹا سا اڑا دیتی۔"

"پھر"؟ میں نے کانپ کر پوچھا۔

"پھر کچھ نہیں۔" ملکہ ایک فیصلہ کن انداز میں بولی۔" وہ دن اور آج کا دن کسی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ میں اکیلی مسلمان عورت اس گاؤں میں رہتی ہوں، اپنے کھیتوں میں ہل چلاتی ہوں بیج بوتی ہوں، فصل کاٹتی ہوں، اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہوں کس کی مجال ہے۔

جو میری طرف یا میرے بچوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے، خون نہ پی جاؤں گی؟"

جن بیتھ کے قریب پہنچکر شہزادوں نے منمنانا شروع کیا۔" اوں اوں ہمیں بھوک لگی ہے ہم ریوڑیاں کھائیں گے، ہم مونگ پھلی کھائیں گے۔"

میں نے کہا۔" اچھے شہزادے مونگ پھلی کھاتے ہیں نہ ریوڑیاں، اور پھر یہ تو نئی دلی ہے یہاں کے لوگوں نے آپ کو اس قسم کا الّم غلّم کھاتے دیکھ لیا تو آپ کی عزّت گھٹ جائے گی۔"

" تو ہم کیا کھائیں بھئی" ملکہ ذرا تنک کر بولی۔" پالم سے پیدل چلے آ رہے ہیں بھوک لگی ہے"

" میں نے دست بستہ عرض کی۔" راشٹرپتی بھون چلئے، وہاں تو آپ کے اعزاز میں ایک بہت بڑی دعوت دی جارہی ہے۔"

مگر ہمیں راشٹرپتی بھون کے باہر ہی روک لیا گیا۔

" آپ کا دعوت نامہ؟" دروازے پر کھڑے ایک آفیسر نے مجھ سے پوچھا۔

میں نے جیب سے دعوت نامہ نکال کر دکھا دیا۔

افسر نے کارڈ پڑھا۔ مجھے سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولا۔ کیا شیطان ٹائمز کے رپورٹر آپ ہی ہیں؟"

" جی ہاں۔ ۔ ۔ !"

اس افسر نے پھر مجھے غور سے دیکھا، کیونکہ میں سر سے پاؤں تک گرد و غبار میں اٹا ہوا تھا اور تقریباً یہی حالت ملکہ اور اس کے بچوں کی تھی۔

میں نے آفیسر کا شبہ دور کرتے ہوئے کہا۔" میں ذرا پالم تک گیا تھا ان کو لانے کے لئے۔"

افسر نے کہا۔ مگر آپ کا دعوت نامہ تو صرف ایک آدمی کے لئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور آپ کے ساتھ تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

"جناب والا" میں نے بڑے فخر سے کہا "بڑی حیرت کی بات ہے آپ ان لوگوں کو پہچان نہیں رہے ہیں جو میرے ساتھ ہیں۔ ۔۔ آج کی دعوت ان ہی لوگوں کے اعزاز میں دی جا رہی ہے"

"کون ہیں یہ لوگ؟" آفیسر نے پوچھا۔

"یہ ملکہ ہیں ــــ یہ ان کے تینوں شہزادے ہیں" میں نے سینہ پھیلا کر کہا دو زانو ہو جاؤ مسٹر!

افسر نے مجھے پھر سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ پھر وہ مڑ کر اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "میں یہاں لوگوں کو تماشہ دکھانا نہیں چاہتا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس پگلے کو یہاں سے نکال دو"

(۲)

اس نے تمہیں پگلا کیوں کہا؟" ملکہ نے بعد میں مجھ سے پوچھا۔

ہم لوگ راشٹرپتی بھون سے نکالے گئے تھے اور اب کھواڑے کے باغ سے داخل ہو کر اس سوئٹ کی طرف جا رہے تھے جہاں ملکہ اور ان کے عملے فیلے کے لئے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

"وہ خود پاگل تھا" میں نے ملکہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا "اس نے تمہیں نہیں پہچانا۔ اگر پہچان لیتا تو فوراً دو زانو ہو جاتا کیونکہ ہم لوگوں نے تمہارے کھیتوں کا اناج کھایا ہے۔ وزیروں سے لے کر دکانداروں تک ہم سب لوگ تمہاری محنت سے زندہ ہیں۔ ہم بڑے نمک حلال لوگ ہیں ملکہ۔ مگر مجھے بڑا افسوس ہے اس آفیسر نے تمہیں نہیں پہچانا"

ایک شہزادہ بولا "مجھے بھوک لگی ہے"

دوسرا بولا "مجھے نیند آ رہی ہے"

ملکہ بولی "اب میں تھک گئی ہوں"

میں نے کہا "ملکہ جہاں تمہیں میں اب لے جا رہا ہوں وہاں کسی طرح کی غلطی نہیں ہو سکتی۔

وہاں سب لوگ تمہیں پہچانتے ہیں۔ وہاں تمہیں کھانے کو بڑھیا سے بڑھیا ملے گا۔ سونے کے لئے شاہانہ بستر، درجنوں نوکر خدمت کرنے کے لئے۔ راشٹرپتی بھون کا یہ حصّہ صرف تمہارے لئے ریزرو کیا گیا ہے"

ملکہ نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور پھر ملکہ اور شہزادوں کے قدم تیز ہونے گئے۔ ستونوں کی آڑ لیتے ہوئے، غلام گردشوں کے کونوں میں چھپتے ہوئے ہم کسی نہ کسی طرح اس سوئٹ میں پہنچ گئے جو ملکہ کے لئے وقف تھا۔ کیسی خوبصورت دیواریں تھیں کیسی منقش چھتیں تھیں، کتنے حسین فانوس تھے، کتنے بڑھیا اسپرنگ دار بستر تھے۔ شہزادے بستر سے چھلانگیں لگاتے اور نیچے گرتے، غالیچوں پر گرکر لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے۔

ملکہ بھی اپنے شفاف جھلملاتے بستر پر لیٹ گئیں۔ پھر اس نے ایک دل کش ادا سے انگڑائی لی پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر قریب کی تپائی پر رکھی ہوئی چاندی کی ایک فروٹ باؤل میں ہاتھ ڈالا۔

اس فروٹ باؤل میں چمن کے انگور تھے۔ کابل کے سردے بمبئی کے الفانزو، عظیم آباد کی لیچی کشمیر کے سیب۔ کلو کی ناشپاتیاں، پشاور کے ملٹے، قندھار کے انار، ناگپور سنگترے، انگلینڈ کے آڑو، ویلز کے آخروٹ اور اسکاٹلینڈ کی گھاس تھی۔ غرضیکہ ہر موسم اور ہر جگہ کا پھل اور میوہ تھا۔

ملکہ نے انگور کا ایک دانہ منہ میں رکھ کر کہا "یہ دلی والے کتنے اچھے لوگ ہیں"۔

یکایک سامنے کا پردہ ہلا اور ایک معمر بٹلر نمودار ہوا اور "یور میجسٹی" کہہ کر جھکا پھر جو اس نے ملکہ اور اس کے بچوں کو دیکھا تو وہ جھکے کا جھکا رہ گیا، اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئیں۔

پھر اس کے پیچھے دو یورپین خادمائیں نمودار ہوئیں جنہیں دیکھ کر انہوں نے زور سے ایک چیخ ماری اور فوراً بیہوش ہو گئیں ــــــ !

(۳)

ہم لوگ وہاں سے بھی نکالے گئے لیکن گرفتار نہیں کئے گئے، وجہ صاف ظاہر ہے، وہ لوگ کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتے تھے۔ مگر اب میں بے حد خفا تھا۔ آخر یہ کس طرح کی سازش ہے؟ آخر یہ سب لوگ ملکہ کو پہچاننے سے کیوں انکار کر رہے ہیں؟

میں شیطان ٹائمز کا رپورٹر تھا، یہ درست ہے کہ مجھے آج ہی نوکر رکھا گیا ہے۔ مگر ایک جرنلسٹ آخر جرنلسٹ ہے۔ چاہے اس کی ایک دن کی سروس ہو یا دس برس کی! اور ایک جرنلسٹ کی عزت اس امر کی متقاضی ہے کہ میں ملکہ کے خلاف اس سازش کو اپنے اخبار میں بے نقاب کر دوں۔ اگر ایک دفعہ ملکہ کو پریس نے پہچان لیا تو پھر ساری دنیا کو اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو گی۔ پریس کی طاقت بہت بڑی طاقت ہے۔

یہ سوچ کر میں ملکہ اور اس کے تینوں شہزادوں کو لے کر ایک اسکوٹر میں بیٹھ کر شیطان ٹائمز کے دفتر کو روانہ ہو گیا۔

(۴)

شیطان ٹائمز کے ایڈیٹر نے مجھ سے پوچھا "پالم گئے تھے؟"

"جی ہاں"، میں نے کامل اعتماد سے کہا۔

"پھر؟ ملکہ کو دیکھا؟"

"دیکھا کیا؟ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں"!

"اپنے ساتھ؟ یہاں"؟ شیطان ٹائمز کا ایڈیٹر تقریباً چیخ کر بولا۔

"جی ہاں"، میں نے فخر سے سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"یہاں؟ ہمارے دفتر میں؟ ناممکن!" چیف ایڈیٹر کرسی سے اٹھ کر بولا۔

"یقین نہ آئے تو باہر ریسپشن لاج میں جا کر دیکھ لو"! میں نے کامل بھروسے سے کہا۔

"او مائی گاڈ!" شیطان ٹائمز کا ایڈیٹر گلا پھاڑ کر بولا۔ "یہ دنیا کی سب سے بڑی، سب سے دھانسو خبر ہے۔ ۔ ۔ greatest show on earth میں تمہیں آج سے پانچسو روپے کی ترقی دیتا ہوں تمہیں اپنا اسسٹنٹ ایڈیٹر نہیں، نیوز ایڈیٹر نہیں، جائنٹ، چیف ایڈیٹر مقرر کرتا ہوں! میری غیر حاضری میں تم میری کرسی پر بھی بیٹھ سکتے ہو، ایڈیٹوریل لکھ سکتے ہو" شیطان ٹائمز کے ایڈیٹر نے فرط مسرت سے مجھے گلے لگالیا اور میرا منہ چومتے ہوئے بولا۔ "چلو چلو! مجھے ملکہ دکھاؤ"

یہ کہہ کر وہ میرا انتظار کئے بغیر باہر ریسپشن روم کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا چلا گیا۔ ریسپشن روم کے اندر جا کر وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف غور دیکھنے لگا۔ لیکن اسے کہیں پر ملکہ نظر نہ آئی۔ اسے ایک کسان عورت نظر آئی جو اپنے پھٹے لہنگے سے جوئیں چن رہی تھی اور جس کے قریب اس کے تین بچے ننگ دھڑنگ بیٹھے تھے۔

"کہاں ہے ملکہ؟" اس نے چلا کر مجھ سے پوچھا۔

میں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا ہے؟"

"یہ ملکہ ہے؟" وہ غصے سے چلا کر بولا۔

"بالکل وہی ہے، اس کا نام ملکہ ہے اور پالم میں رہتی ہے اور وہیں تم نے مجھے ملکہ سے ملنے کے لئے بھیجا تھا ـــ!"

"ابے احمق!" ایڈیٹر نے اپنا سر پیٹ کر کہا۔ "میں نے تمہیں اس جوئیں چننے والی ملکہ سے نہیں اس باہر والی ملکہ کے استقبال کے لئے بھیجا تھا جو انگلینڈ سے آرہی ہے۔ ۔ ۔ ۔!"

"تو تم نے مجھے پہلے بتادیا ہوتا۔" میں نے آزردہ ہو کر کہا۔ "اب مجھے کیا معلوم تھا؟"

"ابے گدھے۔" ایڈیٹر میرا گلا پکڑتے ہوئے بولا۔ "کیا تجھے اتنی تمیز نہیں ہے کہ دلی والے اس کھیتوں والی ملکہ کا سواگت کریں گے جس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں، جس کے بچوں کے تن پر صرف

ایک لنگوٹی ہے اور پاؤں ننگے اور زخمی ہیں، پیٹ بھوکا ہے اور سر ننگا ہے۔ کیا اس گنوار اور بیوقوف کسان عورت کے سواگت کیلئے جنتا کا دو کروڑ روپیہ برباد کیا جا رہا ہے۔"

"یہ گنوار اور بے وقوف عورت نہیں ہے۔" میں نے شیطان ٹائمز کے ایڈیٹر کو پرے ڈھکیلتے ہوئے کہا کیونکہ اب مجھے بھی غصہ آ رہا تھا۔ "یہ بڑی بہادر، سورما اور شیرنی ہے۔ اس اکیلی عورت نے دشمنوں کے خلاف لڑ کر اپنے بچوں اور اپنے خاوند کے کھیتوں کو بچایا ہے۔ ۔ ۔ اس کی شکل و صورت کو دیکھو کسی طرح سے بھی یہ تمہاری ملکہ سے کم نہیں ہے۔ ۔ ۔ تمہاری ملکہ اگر دن میں آٹھ گھنٹے کام کرتی ہے تو یہ دن میں بارہ گھنٹے کام کرتی ہے تمہاری ملکہ اگر سلطنت چلاتی ہے تو یہ بھی اپنے کھیت سنبھالتی ہے اور کسی وزیر کی مدد کے بغیر سنبھالتی ہے اگر تمہاری ملکہ اپنے بچوں سے محبت کرتی ہے تو یہ تو اپنے بچوں پر جان چھڑکتی ہے۔ پھر اس کے کپڑے پھٹے ہوئے کیوں ہیں؟ اس کے بچے بھوکے کیوں ہیں؟ اور تم لوگ اس کے کھیتوں کا اناج کھا کر اس کا نمک کیوں حرام کرتے ہو؟ دو زانو ہو جاؤ مسٹر اور اپنی ملکہ کو سلام کرو۔"

چیف ایڈیٹر دانت پیسنے لگا، اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا، وہ چیخ کر بولا "گیٹ آؤٹ"

(۵)

ملکہ اسی رات اپنے تینوں بچوں کو لے کر واپس پالم چلی گئی ـــــــ کبھی کبھی میں اس کے کھیتوں میں جاتا ہوں اور اس سے پوچھتا ہوں "ملکہ ہمارے شہر میں کب آؤ گی؟"

وہ میرا سوال سن کر مسکرا دیتی ہے، اس کی نگاہیں زمین سے اٹھ کر آسمان پر چلی جاتی ہیں اور وہ خوابیدہ نظروں سے دور افق کے پار دیکھتے ہوئے کہتی ہے۔

"میں آؤں گی، جب تمہارے شہر والے مجھے پہچان جائیں گے!"

Unseasonal "Holi" In Chandni Chowk

By A Staff Reporter

چاندنی چوک میں بے موسم کی ہولی

In C[illegible] Chowk [illegible] on Monday [illegible] The artist [illegible] a lean man [illegible] a [illegible] handkerchief [illegible] band [illegible] [illegible]

[illegible]

Curious spectators [illegible] of whom were mystified by the [illegible] formed a circle [illegible] Children on [illegible] school [illegible]

[illegible] a Hindu bride [illegible]

[illegible] Hindu and [illegible] clean and dirty

When the attention of a [illegible] was drawn [illegible] in the [illegible] These have been [illegible] regarded them as obscene [illegible] obviously [illegible] interpretations.

The [illegible] first of its kind [illegible] Servodaya [illegible] obviously [illegible] was arranged as part of the celebrations of [illegible] Bhavan [illegible]

[illegible] was built up [illegible] As the wind scattered [illegible] ashes on the pavement, which had been cleaned [illegible] earlier, the Sarvodaya [illegible] to have a simple [illegible] the Town Hall.

The [illegible] watched the proceedings with puzzlement and [illegible] all this 'tamasha' about [illegible]

گنداداَن

"کیوں جی! آپ کے گھر میں کوئی گندی کتاب ہے"؟ ڈیوڑھی میں سے آواز آئی، تو سروج چولھے پر سے روٹیاں اتارتے اتارتے جلدی سے ڈیوڑھی میں چلی آئی اور میرے ساتھ ایک دبلے پتلے کھدر دھاری بھگت جی کو دیکھ کر جھینپ گئی۔ ہم بھی اسے دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے جھینپ گئے کیونکہ سروج اس وقت بالکل عجیب حالت میں تھی۔ دوپٹہ سر پر نہ تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، سینہ ابھرا ہوا تھا، وہ ایک پھٹی ہوئی قمیض پہنے ہوئے تھی جس میں سے اس کا خوبصورت جسم جگہ جگہ سے جھانک رہا تھا۔ پہلی نظر میں ہمیں وہ بالکل کسی ہندوستانی فلم کا اشتہار معلوم ہوئی۔

کھدر دھاری بھگت جی نے ہات جوڑ کر نمسکار کرتے ہوئے بڑے نرم لہجے سے کہا "بہن جی! آپ کے گھر میں اگر کوئی گندی کتاب ہو تو ہمیں دان دے دیجئے۔"

سروج نے میری طرف گھور کر دیکھا۔ میں نے نڈر ہو کر کہا "بھگت جی! اگر بہن سروج کے گھر میں گندی کتابیں نہ ملیں گی تو کہاں ملیں گی؟ اس کا گھر والا گندی کتابیں چھاپنے ہی کا دھندا کرتا ہے۔"

"چھی چھی بہت بری بات ہے"! بھگت جی سروج کی طرف افسوس سے دیکھ کر بولے۔

سروج نے چمک کر کہا "گندی کتابیں نہ چھاپیں تو کیا کریں؟ کوئی اور کام جب نہ ملے

تو کیا بھوکے مرجائیں؟ اسی سے پوچھو۔ ۔ ۔ اسروج نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" میرے گھر والے نے کام کے لئے کہاں کہاں کوشش نہیں کی۔ میونسپلٹی میں، سکریٹریٹ میں، فرموں میں ٹھیکیداروں کے یہاں، دوکانوں پر، کہاں کہاں ٹکریں نہیں ماریں؟ جب کام نہ ملے تو کیا اپنے تینوں بچوں کو بھوکا ماردیں؟"

میں نے کہا۔" انہیں فلمی پوسٹر کھلایا کرو، اس میں ہر طرح کے وٹامن ہوتے ہیں۔"

"آنے دو دان کو۔" سروج میرے سامنے ہوا میں مکا گھماتے ہوئے بولی" معلوم ہوتا ہے تم نے اب کوکین کا دھندا چھوڑ کر سرکار کی مخبری شروع کردی ہے۔"

"تم ہمیں غلط سمجھ رہی ہو بہن۔" بھگت جی نے بے حد نرمی سے کہا۔" ہم سرکاری آدمی نہیں ہیں، ہم تو سروے کے کارکن ہیں، آپ کے سیلوک ہیں۔"

"جی ہاں!" میں نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔" اس سے پہلے ہم گندی اور بنجر زمینیں جمع کرتے تھے۔ آجکل گندی اور عریاں کتابیں جمع کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنے گھر سے کچھ گندی کتابیں دان میں دیں گی تو ہم انہیں لیکر فوراً جائیں گے۔"

سروج نے گھوم کر میری طرف دیکھا اور اس طرح غصہ سے دیکھا۔ جس طرح فلم 'ایک دو تین' میں مینا شوری موتی لال کی طرف دیکھتی ہے۔ پھر وہ پلٹ کر جلدی سے اندر چلی گئی اور الٹے پاؤں واپس لوٹ کر کچھ کتابیں ہمارے سامنے پٹک کر غصّے سے پھنکارتی واپس چلی گئی۔

میں کتابیں اٹھا کر انہیں باری باری دیکھنے لگا۔" اصلی کوک شاستر باتصویر واہ واہ! اسے تو میں ضرور پڑھوں گا۔"

بھگت جی نے جلدی سے وہ کتاب مجھ سے چھین لی۔

میں دوسری کتاب دیکھنے لگا۔" کام سوتر، نیکھک داتسیاین۔ اچھا میرا خیال اب

تک یہی تھا کہ داتسیاین جی صرف پر لوگ دادی کو تیا کرتے ہوں گے، یہ حضرت تو بڑے چھپے ہوئے رستم نکلے ۔"

بھگت جی نے ڈانٹ کر مجھ سے کہا:"احمق ہوئے ہو وہ داتسیاین اور تھے یہ داتسیاین اور ہیں۔ یہ کام سوتر تو ہزار برس پرانی کتاب ہے ۔"

"تو کیا یہ کتاب بھی گندی ہے ؟"

"گندی کتاب تو گندی کتاب ہے، چاہے وہ کسی زمانے میں لکھی جائے"

"مگر میں نے سنا ہے بھگت جی! کہ کام سوتر تو سیکس کے بارے میں لکھی گئی ہے اور یہ ایک گیان کی کتاب ہے، وگیان کی ٹیکنک ہے، یعنی جہاں تک اس زمانے کی سائنس سیکس کے بارے میں سوچ سکتی تھی ۔"

"مگر ہے تو سیکس کے بارے میں، اس لئے گندی ہے ۔" بھگت جی نے وہ کتاب بھی مجھ سے چھین لی۔

تیسری کتاب پر ایک نیم عریاں عورت کی رنگین تصویر بنی تھی جو ایک باتھ ٹب میں نہا رہی تھی کتاب کا نام تھا "غسل خانے کی محبوبہ ۔"

"چھی چھی"! میں نے جلدی سے کتاب کو بھگت جی کے حوالے کر دیا۔ بھگت جی کتاب کی تصویر دیکھ کر بولے :"ایسی تصویریں دیکھ کر ہی تو ہمارے دیس کے نوجوانوں کا کیریکٹر خراب ہوتا ہے۔"

"چلئے یہاں سے چلیں ۔" میں نے بھگت جی سے کہا۔

مگر بھگت جی تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے بولے :"دیکھئے تو کتنی گندی ہے۔۔۔ کتنی گندی تصویر آرٹسٹ نے بنائی ہے ۔عورت کے بال کھلے ہیں ۔"

"شاید سر دھونے جا رہی ہو ۔"

"اجی نہیں، بال ہی کھلے نہیں ہیں۔ ساری بانہیں کھلی ہیں، گلا ننگا ہے۔"

"اجی چھوڑیئے۔" میں نے کہا۔

"چھاتیاں ننگی ہیں، پیٹ ننگا ہے۔" بھگت جی تصویر کے ایک حصے کو دھیان سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "بڑی گندی تصویر ہے۔"

"اسے جھولے میں ڈالئے اور آگے چلئے۔ ابھی تین گھر اور باقی ہیں۔"

میں نے بھگت جی کے ہات سے کتاب لیکر دان کے جھولے میں ڈال دی اور ان کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔

بھگت پھپھوندی رام نے اپنے سچے اور خوبصورت کردار سے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں اپنا جما جمایا کاروبار چھوڑ کر سرودے اندولن میں شامل ہوگیا۔ پہلے ہم لوگ بھومی دان کا کام کرتے تھے۔ اس میں جنتا نے ہمارے ساتھ بہت تعاون کیا۔ کچھ ہی سال میں ہمیں لاکھوں ایکڑ زمین دان میں مل گئی۔ مگر بعد میں جب جانچ پڑتال کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں سے زیادہ تر زمین بنجر اور بے کار تھی۔ دان دینے والوں کی اخلاقی گراوٹ پر ہمیں بہت دکھ ہوا اس سے ہمارے من میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دیش اس وقت تک ترقی کے راستے پر آگے نہیں بڑھ سکتا جب تک یہاں کے لوگوں کے شعور کی اخلاقی سطح اونچی نہ کی جائے۔ اس کے لئے ایک طرف سرکار نے نشہ بندی شروع کردی۔ دوسری طرف ہم نے فلمی پوسٹر پھاڑنے شروع کردیئے اور اب ہم لوگ گلی گلی محلے محلے جاکر گندی کتابیں جمع کر رہے تھے۔ آج میں بھگت پھپھوندی رام کو اپنے محلے میں لے آیا تھا۔

دوسرا گھر جہاں میں بھگت پھپھوندی رام کو لے گیا وہ لالہ ٹھاکر داس کا تھا۔ لالہ ٹھاکر داس چاندنی چوک کے مشہور جوہری تھے۔ ایک زمانہ میں دلی کی ساری مشہور طوائفیں ان کے

یہاں سے اپنا زیور خریدتی تھیں۔ مگر جب سے دلّی میں طوائفیت بند ہوئی تھی لالہ ٹھاکر داس کا کاروبار کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ آج کل وہ اپنی دکان پر زیورات کے علاوہ ولائتی نادلٹی کا سامان بھی بیچتے تھے اور طوائفوں کا وہی زیور سستے داموں پر خرید رہے تھے جسے انہوں نے کبھی مہنگے داموں بیچا تھا۔ لالہ ٹھاکر داس کرشن بھگت تھے، دن میں دو بار مندر جاتے تھے اور اپنی تینوں عورتوں کے گھر ہر سال میں تین بار کتھا کھلواتے تھے۔ انہوں نے ہمارے انڈولن کو چلانے کے لئے دل کھول کر چندہ دیا تھا۔ اس وقت ہم ان کے گھر ان کا شکریہ ادا کرنے گئے تھے۔ مگر میں داد دیتا ہوں بھگت جی کی اُن کے اونچے اخلاق شعور کی کہ بھگت پھپھوندی رام اپنے بھگت کے گھر جاکر بھی اپنے فرض سے نہیں چوکے۔ انہوں نے چلتے وقت دیوار پر ٹنگے ہوئے ایک بڑے کیلنڈر پر انگلی رکھتے ہوئے لالہ ٹھاکر داس سے کہا: یہ کیا ہے؟

"کیلنڈر ہے۔"

"مگر کس کا کیلنڈر ہے۔"؟

"رادھا کرشن کا کیلنڈر ہے۔" لالہ ٹھاکر داس نے جواب دیا۔

"کیا رادھا اسی طرح ادھ ننگی رہتی تھیں؟" بھگت پھپھوندی رام نے غصّے سے پوچھا۔ "پتلے کپڑے کے اندر سے انگ انگ جھانک رہا ہے۔"

"ممکن ہے اس زمانے میں نائی لون ایجاد ہو چکا ہو۔" میں نے کہا۔ "تم چپ رہو"۔ بھگت جی غصّے سے بولے "اور آرٹسٹ نے کرشن کو کیسے پیش کیا ہے۔ دیکھئے تو اس کرشن کی نگاہ میں کیسی بے حیائی اور آوارگی ہے۔ یہ رادھا کو کیسی بری نگاہوں سے تک رہے ہیں۔"

میں نے کہا "ممکن ہے جسے آپ بے حیائی اور آوارگی سمجھ بیٹھے ہوں وہ صرف محبّت ہو۔"

"نہیں یہ گندا کیلنڈر ہے۔" بھگت جی نے دیوار پر ٹنگا ہوا کیلنڈر کھینچ کر اپنے جھولے

میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے حیرت ہے لالہ ٹھاکر داس جی!"

لالہ ٹھاکر داس تھر تھر کانپنے لگے۔ گھگھیاتے ہوئے بولے "بھگت پھپھوندی رام جی! مجھے معاف کر دو، مجھ سے بھول ہوئی۔ اصل میں میں نے اس کیلنڈر کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں میں اسے ہمیشہ رادھا کرشن کا ایک خوبصورت کیلنڈر سمجھتا رہا۔"

"معاف کر دیجئے بھگت جی!" میں نے سفارش کرتے ہوئے کہا "اس بے چارے کے دماغ کو شاید پھپھوندی لگ گئی تھی۔"

بھگت جی نے مجھے غصے سے گھورا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ باہر گلی میں جا کر پوچھنے لگے۔ "اب کہاں چلنا ہوگا۔؟"

میں نے کہا "اب تو ایک ہی گھر باقی رہ گیا ہے جہاں سے ہمیں کچھ مل سکتا ہے۔"

"کون سا گھر ہے وہ؟"

"وہ اس محلے کا سب سے غریب گھر ہے۔ وہاں ایک بڑھیا اپنے بیٹے کے ساتھ رہتی ہے۔ بیٹا سنیما کے اشتہار دیواروں پر چپکانے کا کام کرتا ہے۔"

"تو اس کے گھر ضرور چلنا چاہیئے۔" بھگت جی خوش ہو کر بولے۔

"اس کا نام گوتم ہے مگر وہ ایک ہی سر پھرا اور باغی ہے۔ میرے خیال میں تو ہمیں اس کے نہیں جانا چاہیئے۔"

"واہ جہاں سب سے زیادہ گندے پوسٹر ملنے کی امید ہے وہاں نہ جائیں یہ کیسے ہو سکتا ہے" بھگت جی بولے اور میں سر جھکا کر ان کے ساتھ ہو لیا۔

راستے میں ایک پبلک نل کے نیچے ایک نوجوان عورت نہاتی ہوئی مل گئی۔ اس کی پھٹی دھوتی اس کے گورے جسم سے بالکل چپک گئی تھی اور وہ بے چاری ہمیں دیکھ کر ہی شرما گئی۔ اس نے جلدی

سے اپنا منہ موڑ لیا۔ ایسا کرنے سے ہمیں اس کے جسم کی دوسری دل کش گولائیاں بھی نظر آگئیں جو اب تک نظر سے اوجھل تھیں۔

میں نے کہا "بالکل غسل خانے کی محبوبہ کا پوز ہے۔"

بھگت جی بولے "آخر یہ عورت گھر پر کیوں نہیں نہاتی"۔؟

میں نے کہا "اس لئے کہ ہمارے گھروں میں اکثر غسل خانے نہیں ہوتے کہیں کہیں تو نلکا بھی نہیں ہے، اس حالت میں لوگ کیا کریں"۔؟

"چلو چلو، آگے چلو"

"میرے خیال میں اس ننگی عورت کو ضرور سمجھانا چاہیئے۔ آخر یہ کیوں پبلک نل کے نیچے نہار ہی ہے"؟

"چلو چلو، آگے چلو" بھگت جی جلدی سے آگے بڑھ گئے۔

جب گوتم کے گھر جاکر بھگت جی نے اپنے آنے کا مقصد بتایا تو گوتم بھڑک اٹھا۔

"میں گندے فلمی پوسٹر بناتا نہیں صرف انہیں دیوار پر چپکاتا ہوں"۔

بھگت جی بولے "برے کام میں مدد دینا بھی برا ہے، اس سے سماج میں گندگی پھیلتی ہے"

"سماج میں اور جن باتوں سے گندگی پھیلتی ہے انہیں دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟

گوتم غصہ ہوکر بولا "سماج میں جن گندے اصولوں سے بھوک، بے کاری، غریبی بڑھتی ہے۔ وہ تمہاری نظر میں کیوں نہیں آتے؟ صرف فلمی پوسٹر پھاڑنے سے کیا ہوگا؟ بداخلاقی۔ بدمعاشی، بلیک مارکیٹ کا اتنا بڑا گندہ پوسٹر جو سماج کے منہ پر چپکا ہوا ہے، اسے پھاڑنے کی ہمت کیوں نہیں کرتے بھگت جی! ہولی کھیلو تو ایسی۔ جس میں اس دیش کی رشوت خوری، کنبہ پروری، جات پات کی لعنت چور ی چکاری اور منافع خوری ساری ساری جل کر راکھ ہو جائیں۔ ایسا کرسکو بھگت جی، تو میرے

گھر سے سارے فلمی پوسٹر اٹھا لے جاؤ بلکہ میری جان کی بھی ہولی کھیلو، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"ہیئر ہیئر!" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "بھگت جی! لڑکا ٹھیک کہتا ہے۔ اسے اندولن میں شامل کرلو۔"

"جی نہیں، بالکل احمق اور سر پھرا ہے" بھگت جی غصہ ہو کر بولے "چلو یہاں سے چلیں۔"

چاندنی چوک میں ہم لوگوں نے بڑی شان سے گندی کتابوں، گندے کیلنڈروں اور گندے فلمی پوسٹروں کو جلا کر نئی ہولی منائی۔ راہ چلتے سینکڑوں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ بھگت جی نے موقع دیکھ کر اپنا اپدیش شروع کر دیا۔

جب بھگت جی اپنا اپدیش دے رہے تھے اس وقت میں جلدی جلدی سے کیلنڈروں، فلمی پوسٹروں اور کتابوں میں سے 'غسل خانے کی محبوبہ' تلاش کرنے لگا۔

مگر اور سب کتابیں تو مجھے مل گئیں۔ بس وہی ایک کتاب مجھے نہیں ملی۔ ہار کر میں نے سارے ڈھیر پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔

کتابیں جل رہی تھیں۔ بھگت جی اپدیش دے رہے تھے۔ اور میں اُن کے کھدر کے سفید جھولے کو دیکھ رہا تھا جس کے اندر مجھے ایک کتاب جلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

200-YEAR-OLD CLAIM PA…

LONDON …
Chancellor …
… der … says

The … Treasury … recently received a … from the Rev. Jes… of the 200-year-o… Episcopal Church, who claimed that … had torn down the … in 1778 and had used … firewood.

The actual damage … $18 but Mr Koci added an extra $780,000 as compound interest at six per cent spread over 18… years.

The Chancellor's letter … by his private secre… … Carey said … the Exchequer that the alleged d… to have occurred ne… of Versailles in 17… vania was at that … colonial territory

…on is that claims … colonial territories … vernment, which … itled by the data … lie against the … ent unless a … is made to

… arrangement … fore I am … hould … the … USA … of … propo…

… the …

Chas … Majo … orig… for…

… by … the fund … as a token … the Americ…

۲۰۰ برس پرانا قرض چکایا

پُرانا قرضہ

آج سے دو سو سال پہلے انگریزی فوجوں نے امریکہ کی آزادی کی لڑائی کے دنوں میں فلے ڈیلفیا کے ایک گرجا گھر کی عمارت کو نقصان پہنچایا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ مہینے ہوئے اسی گرجا گھر کے پادری جوزف کوسی نے انگلینڈ سے ہرجانے کی رقم طلب کرلی۔ دو سو سال کے بعد! .. .. .. انگلینڈ کے چانسلر آف ایکسچیکر نے اس گرجے کے پادری کو ایک بہت اچھا خط لکھا اور ہرجانے کے طور پر چھ پونڈ آٹھ شلنگ اور ایک پنس کی رقم ادا کی۔

یہ خط دنیا کے تمام اخباروں میں چھپ چکا ہے اور دنیا کے چاروں کونوں میں انگریزوں کی سچائی اور فیصلہ کی دھوم مچ گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں جب کہ بھائی بھائی کا قرضہ ادا نہیں کرتا، آج بھی ایک قوم ایسی ہے جو اپنا قرضہ پائی پائی کرکے چکا دیتی ہے ___ اور وہ ہے انگریز قوم۔

دو سو سال پرانا قرضہ چکا کر انگریزی چانسلر نے انگریزی شرافت کی ایسی مثال قائم کی ہے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ہندوستان میں انگریز چانسلر آف ایکسچیکر کے خط کا بہت کافی اثر ہوا ہے اور سب سے زیادہ اثر مجھ پر ہوا ہے جب میں نے اخباروں میں یہ خط پڑھا تو میں انگریزی حکومت کی انسانی محبت اور شریف عادات کا قائل ہوگیا۔ میری آنکھوں میں

آنسو آگئے اور میں دو گھنٹے تک روتا رہا۔ پھر میں آنسو پونچھ کر اپنی گندی کھولی سے باہر نکلا اور اخبار سے یہ خبر کاٹ کر کچھ لوگوں سے ملنے چلا گیا۔ ان ملاقاتوں کا نتیجہ اب تک یہ نکلا ہے کہ صرف ہمارے ملک ہندوستان سے سینکڑوں لوگوں نے انگریزی وزیر کو مبارک باد کے خط لکھے ہیں۔ یہ خط دنیا کے کسی اخبار میں نہیں چھپے ہیں۔ یہ خط پہلی بار آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے سارے خط تو نہیں چھاپے جا سکتے نمونہ کے طور پر صرف کچھ خط پیش کرتا ہوں۔

"پہلا خط"

پانڈے شمبھو دین شرما کی طرف سے چانسلر آف ایکسچیکر کے نام!

جے رام جی کی!

آج سے دو سو سال پہلے انگریزوں نے فلے ڈیلفیا کے ایک گرجا گھر کی عمارت کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس کے لئے آپ نے چھ پونڈ آٹھ شلنگ ایک پنس کا ہرجانہ ادا کر کے جو قدم اٹھایا ہے، اس کے لئے میں آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے اسی طرح انگریزی فوجوں نے لڑائی لڑتے ہوئے میرے پرکھوں کے دو مندروں کو نقصان پہنچایا تھا۔ انگریزی فوجوں کی گولہ باری سے ہمارا ایک مندر تو بالکل ٹوٹ گیا تھا اور دوسرے کی چار دیواری گر گئی تھی۔ اس زمانے کے تحصیلدار نے نقصان کا اندازہ دو لاکھ روپے لگایا تھا۔ مہربانی کر کے یہ رقم جلد سے جلد بھیجنے کی تکلیف کیجئے۔ نقصان کا تخمینہ تحصیلدار بنارس کے تحریری ثبوت کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔

"دوسرا خط"

مولانا صلاح الدین کی طرف سے، لارڈ بشپ آف کینٹربری کے نام۔

السلام علیکم!

آپ کو معلوم ہوگا کہ سری رنگ پٹم کے مقام پر ٹیپو سلطان کے خلاف لڑتے ہوئے انگریزی فوجوں نے تین مسجدوں کو شہید کر دیا تھا۔ علاوہ جانی اور روحانی نقصان کے صرف مالی نقصان کا اندازہ دس لاکھ روپئے کا ہے جو انگریزی تاریخ نگاروں کے تاریخی ریکارڈ سے ثابت کیا جا سکتا ہے جس کی ایک نقل میں اس خط کے ساتھ نتھی کر رہا ہوں۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ فلے ڈیلفیا کے گرجا گھر کی مثال کو سامنے رکھ کر ہمیں بھی دس لاکھ کا ہرجانہ ضرور ادا کر دیا جائیگا مسجد اور گرجا گھر دونوں خدا کے گھر ہوتے ہیں اور سمجھے جاتے ہیں۔ لہذا گرجا گھر کے ہرجانے کو نظر میں رکھتے ہوئے اس خاکسار کو مسجد کا ہرجانا دلوایا جائے۔ یہ بات میرے لئے اور حامیان اسلام کے لئے بصد تشکر و امتنان کا باعث ہوگی۔

مخلص

الحاج مولانا صلاح الدین چشتی امام مسجد سری رنگ پٹم

"تیسرا خط"

ماسٹر تارا سنگھ کی طرف سے، لارڈ ہوم کے نام۔

ست سری اکال!

آپ جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے وارثوں پر انگریزوں نے فوجی دباؤ ڈال کر ان سے کوہ نور ہیرا چھین لیا تھا۔ اس دھاندلی کے خلاف اس وقت بھی آواز اٹھائی گئی تھی اور انگریزی حکومت کے دوران میں بھی ہندوستانیوں کی طرف سے بار بار احتجاج کیا گیا تھا۔ اب جبکہ انگریزی حکومت پرانے قرضے چکا رہی ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ کوہ نور ہمیں واپس دیدیا جائے۔ جوہریوں کے اندازے کے حساب سے کوہ نور کی قیمت آٹھ کروڑ روپے ہوتی ہے۔ ہم کو کوہ نور فوراً مل جانا چاہئے۔

"چوتھا خط"

بیگم رفعت محل آف لکھنؤ کی طرف سے انگریزی چانسلر کے نام۔

آداب عرض!

بیگمات اودھ کے قصہ سے تو آپ واقف ہوں گے۔ جب کمپنی بہادر کو اپنی فوجوں کو تنخواہ بانٹنے کے سلسلہ میں روپیہ کی سخت ضرورت پڑی تو اس وقت کے جناب لاٹ صاحب بہادر وارن ہیسٹنگز مرحوم (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) بیگمات اودھ کا سارا خزانہ ضبط کر لیا تھا جو کچھتر کروڑ روپئے کی مالیت کا تھا۔ ازراہ کرم وہ رقم جلد سے جلد ارسال فرمائیے۔ ان دنوں لکھنؤ میں سیلاب بھی آ رہا ہے۔ اس لئے بندی اگر رقم جلد وصول پائے گی تو آپ کے جان و مال کو دعا دے گی۔ امید ہے آپ اس ذرا سی رقم کے لئے مجھے یاددہانی کا موقع نہ دیں گے۔

"پانچواں خط"

میئر آف کلکتہ کی طرف سے، مئیر آف لندن کے نام

یہ میں کیا سنتا ہوں؟ انگریزی چانسلر نے آج سے دو سو سال پہلے ایک امریکی گرجا گھر کا جنگلہ ٹوٹ جانے پر چھ پونڈ آٹھ شلنگ ایک پنس کی بہت بڑی رقم ادا کی ہے؟

کیا رقم ادا کرتے وقت وہ بلیک ہول آف کلکتہ کا واقعہ بھول گئے جو لارڈ کلائیو کی بدمعاشی اور بری عادت کی وجہ سے ہوئی تھی اور جس میں درجنوں بنگالیوں کی جانیں چلی گئی تھیں۔ یقیناً ایک انسان کی زندگی گرجا گھر کی ایک دیوار سے زیادہ قیمتی ہے۔ مہربانی کر کے ان جانوں کو ہرجانہ ان کے وارثوں کو ادا کر کے بنگالی قوم کو شکریہ کا موقع دیجئے۔ مرنے والوں کے وارثوں کی تعداد آج دو لاکھ سے اوپر ہے۔ ہر آدمی کو ایک سو روپیہ ادا کرنے پر یہ ہرجانہ دو کروڑ پچاس لاکھ اٹھتر ہزار نو سو سات روپئے سات آنے تین نئے پیسے ہوگا۔ اگر آپ نے یہ روپیہ ادا نہ کیا تو ہم آپ کے چھ

پونڈ آٹھ شلنگ ایک پنیس والے چیک کو محض ایک سٹنٹ سمجھنے پر مجبور رہوں گے ۔

"چٹھا خط"

ہندوستان کے وزیراعظم کی طرف سے، انگریزی وزیراعظم کے نام ۔

یور ایکسی لینسی!

یہ کہنا مشکل ہے کہ برطانوی چانسلر نے آج سے دو سو برس پہلے کے گرجا گھر کے نقصان کا ہرجانہ ادا کر کے صحیح قدم اٹھایا ہے یا غلط ۔ میں مذہبی آدمی نہیں ہوں لیکن اس قصہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ایک ہرجانہ ادا کیا جا سکتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں کیا جا سکتا ۔ مگر اس بات کا بھی آسانی سے فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دنیا بہت پیچیدہ ہے اور اس میں اتنی طاقتیں اتنے رجحانات اتنے جذبات کام کرتے ہیں کہ کسی ایک نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے ۔ بہرحال اس دنیا میں زندگی کی حقیقتوں سے آنکھ ملانی ہی پڑتی ہے، چاہے وہ ایٹم بم ہو یا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اب یہ ایک تاریخی سچائی کہ انگریزی حکومت کے زمانہ میں جب ہندوستانی قوم غلام اور پسماندہ تھی، سارے ملک میں اٹھارہ بڑے بڑے قحط پڑے تھے (میں کامن ویلتھ کے رشتے کو خیال میں رکھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قحطوں کا ذکر نہیں کروں گا) جن میں جان و مال کے نقصان کی سیدھی ذمہ داری انگریزی حکومت کی تھی اور ہے ۔ ان قحطوں میں اڑیسہ کی ایک تہائی آبادی اور بہار کی ایک چوتھائی آبادی ختم ہو گئی پچھلی جنگ عظیم کے دنوں میں بنگال کے قحط میں سینتیس لاکھ بنگالی موت کا شکار ہو گئے ۔ بھارت سرکار نے اس جان و مال کے نقصان کا اندازہ پچیس ملین کھرب پونڈ لگایا ہے ۔ میں بھارت سرکار اور برٹش سرکار کی گہری دوستی اور بین الاقوامی بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ آپ جلد سے جلد حکم دیں گے کہ پچیس ملین کھرب پونڈ کی رقم چیک کے ذریعہ ہندوستانی خزانے کو بھیج دیں گے ۔

سنا ہے کہ ان خطوں کے بعد برٹش وزیروں کی ایک خاص بیٹھک بلائی گئی۔ کارروائی کے دوران میں معلوم ہوا کہ نہ صرف بھارت سے بلکہ لنکا سے، پاکستان سے، ملایا سے، سنگاپور سے، بورنیو سے، چین سے، مصر سے، عراق سے، افریقہ سے، ویسٹ انڈیز سے اور دوسری ان تمام جگہوں سے جہاں برطانیہ کی حکومت رہ چکی ہے۔ ہزاروں خط اسی سلسلے میں ملے ہیں۔ ان میں سے ہر خط اسی قسم کے قرضے کے بارے میں ہے۔ مگر جب ان رقموں کو جوڑا گیا تو معلوم ہوا کہ اگر ہرجانہ کی کل رقم ادا کردی جائے گی تو مالی اعتبار سے انگلینڈ بالکل اسی جگہ پہنچ جائے گا جہاں وہ آج سے ٹھیک دو سو سال پہلے تھا۔

An Old Host Of P...

وزیرِ اعظم کا ایک پُرانا میزبان

...om the
...a his

پھٹا لحاف

آنند بھون میں ایک لمبا کرہ ایل " L " کی شکل کا ہے۔ کمرے میں اس قدر گہرے اور دبیز غالیچے بچھے ہیں کہ قدموں کی چاپ سنائی نہیں دیتی اور پنڈت نہرو کی میز وہاں بچھی ہے، ایک کونے میں کہ جب تک آدمی میز کے بالکل قریب نہ آجائے وہ پنڈت جی کو نہیں دیکھ سکتا۔ بڑی میز کے قریب بائیں طرف ایک بڑی قریبی کھڑکی ہے، لمبی اور مخروطی اور ترشی ہوئی، انسان کی انگلی کی طرح آسمان کی طرف کھلی ہوئی۔ پنڈت جی میز سے سر اٹھا کر کبھی کبھی باہر آسمان کی طرف اس طرح دیکھ لیتے ہیں جیسے وہ اس انگلی سے ستاروں کو چھو لینا چاہتے ہوں۔ شام کا وقت ہے، کمرے میں اندھیرا بڑھ چلا ہے۔ کچھ اس لئے بھی کہ گہرے گہرے رنگوں والے دبیز پردے روشنی کو اندر نہیں آنے دیتے جو ابھی تک باہر افق پر کھلی ہوئی ہے۔ میز پر ایک ٹیبل لیمپ پڑا ہے۔ پردہ اٹھنے کے چند سکنڈ بعد پنڈت جی آہستہ سے ٹیبل لیمپ کا سوئچ دباتے ہیں۔ سوئچ دباتے ہی انکا سوچ میں ڈوبا ہوا چہرہ روشن ہو جاتا ہے اور ان کی کرسی کے پیچھے ہندوستان کا بڑا نقشہ صاف اور واضح صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔

ایک سیکریٹری آتا ہے، دیکھتے ہی بھونچکا رہ جاتا ہے۔ پنڈت جی کہتے ہیں۔

پنڈت نہرو: دیکھتے کیا ہو؟ کاغذات پیش کرو۔

سیکریٹری ۱: لاؤس کمیشن کو پھر سے جگانے کے متعلق یو این او کے سیکریٹری جنرل کو جو تار بھیجا جائیگا اس کا مسودہ تیار ہے، دیکھ لیجئے۔ مگر آپ کہاں چلے گئے تھے؟

پنڈت نہرو: کہیں نہیں، یہیں تھا (مسودہ دیکھتے ہوئے) مگر یہ ــــ یہ ــــ یہ کیا ہے؟ یہ تو لومبا کے بارے میں میرا مسودہ ہے۔ کیا ـــ کیا ـــ کیا تم ـــ یہ نہیں جانتے کہ لاؤس اور لومبا میں کیا فرق ہے؟۔ (زور سے کاغذات پھینک دیتے ہیں۔)

سیکریٹری ۱: ساری سر! ٹائپسٹ سے غلطی ہوگئی ہیں دوبارہ لاتا ہوں۔

(جلدی سے کاغذ اکٹھا کرجاتا ہے، اتنے میں دوسرا سیکریٹری آتا ہے]

سیکریٹری ۲: یوپی کے کانگریسیوں میں جو دھڑے بندی جاری ہے، اس کے سلسلے میں کچھ کانگریسی آپ سے ملنے آئے ہیں۔

پنڈت نہرو: کون لوگ ہیں یہ؟

سیکریٹری ۲: دو آدمی دھڑہ ۱ کے ہیں، دو آدمی دھڑہ ۲ کے ہیں اور ایک آدمی دھڑہ ۳ کا ہے۔

پنڈت نہرو: مگر میں ان لوگوں سے شاید صبح مل چکا ہوں۔

سیکریٹری ۲: مگر پنڈت جی وہ کہتے ہیں کہ صبح سے شام تک یوپی کے پالٹکس میں بڑی بھاری تبدیلی آچکی ہے

پنڈت نہرو: حیرت ہے صاحب، جو تبدیلی میں حالات میں سترہ سال کی کوشش سے نہ لا سکا وہ یہ لوگ گیارہ گھنٹوں میں لے آئے۔ حیرت ہے صاحب۔!

[تیسرا سیکریٹری بھاگا بھاگا آتا ہے]

سیکریٹری ۳: سر، چوتھے دھڑے کا نمائندہ بھی آگیا

پنڈت جی جلدی سے لپک کر دائیں طرف کے پردے کو ذرا سا ہٹا کے دیکھتے ہیں اور غصے سے کہتے ہیں۔

پنڈت نہرو: سب دھڑ ہی دھڑ نظر آتے ہیں سر تو کسی کا نظر نہیں آتا۔ نہیں۔ میں نہیں ملوں گا ان سے!

بہت ہو گیا، بہت ہو گیا!۔

سیکریٹری۳: مگر پنڈت جی۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔!

پنڈت نہرو: دیکھتے نہیں ہو میں اس وقت پلاننگ کمیشن کی چوتھی یوجنا کے بارے میں اپنی رپورٹ تیار کر رہا ہوں، کیا یہ جھگڑنے والے لوگ مجھے کام نہیں کرنے دیں گے۔ نہیں ملوں گا، نہیں ملوں گا، اس وقت ـــــ جاؤ۔"

پنڈت جی کرسی پر بیٹھے بیٹھے گھوم جاتے ہیں اور پھر ایک دم کھڑے ہو کر ہندوستان کا نقشہ دیکھنے لگتے ہیں۔ تینوں سیکریٹری سر جھکا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ پنڈت جی کے دونوں ہاتھ اپنی کمر کے پیچھے آکر ایک دوسرے میں بے چینی سے گتھ جاتے ہیں جیسے ان ہاتھوں میں لڑائی ہو رہی ہو ـــــ!

ایک آواز آتی ہے!

آواز : شانتی! شانتی!۔

پنڈت جی تیزی سے گھوم کر پلٹتے ہیں، کہتے ہیں۔

پنڈت جی: کون ہے؟ کہہ جو دیا میں کسی سے نہیں ملوں گا۔

میز سے چند قدم دور، روشنی کے ـــــ ہالے سے باہر کمرے کے اندھیرے میں ایک آدمی کھڑا ہے۔ اس کی صورت نظر نہیں آتی، اس کا لباس صاف طور سے دکھائی نہیں دیتا صرف اس کی بھاری آواز سنائی دیتی ہے۔

آواز : شانتی! شانتی!

پنڈت جی ایک لمحے کے لئے میز پر ایک کونے میں اپنے سامنے رکھے ہوئے بھگوان بدھ کے مجسمے کو چھو کر اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

پنڈت جی : ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا شاید تم مجھ سے بولے ! ـــــ

(سر اٹھا کر) کون ہو تم؟ مجھے شانتی کی تلقین کرنے والے .. .. .. ذرا سامنے تو آؤ ۔

وہ آدمی اندھیرے سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کے قریب روشنی کے ہالے کے اندر آتا ہے اور اب اس کا بھورا جھریوں بھرا چہرہ اور اس کی سپید داڑھی صاف نظر آتی ہے ۔ پھر اس کا لباس بھی نظر آنے لگتا ہے ۔ اس بڈھے آدمی نے ایک پھٹا ہوا لحاف اوڑھ رکھا ہے جس میں جا بجا روئی کے پھوسڑے باہر نکلے نظر آ رہے ہیں ۔ لحاف پھٹا ہونے کے علاوہ تیل اور میل کے چکٹوں سے داغدار ہو رہا ہے ۔ پنڈت جی اسے نہ پہچان کر کہتے ہیں ۔

پنڈت نہرو : کون ہو تم ۔

بڈھا : تمہارا پرانا ساتھی، پہچان لو .. .. .. !

وہ بڈھا آدمی میز پر جھک کر پنڈت جی کے بالکل قریب آ کر اپنی صورت دکھاتا ہے ۔ پنڈت جی کے چہرے پر چند لمحوں تک شک و شبہات کی لہریں ابھرتی ہیں، پھر یکایک صاف ہو جاتی ہیں ـــ اور وہ خوشی سے چلا کر کہتے ہیں ـــ

پنڈت نہرو : ارے بڑے بھیا .. .. !

پنڈت جی جلدی سے آ کر اس بڈھے آدمی سے بغل گیر ہوتے ہیں ۔ بڈھا بھی اپنی دونوں باہیں پنڈت جی کے گلے میں ڈال کر رونے لگتا ہے .. .. !

بڈھا : جواہر! تم نے مجھے پہچان لیا آخر .. .. ہاں میں ہوں تمہارا بڑا بھیا ۔ بھگوا اندین اپر ٹانگ کرڈ والا .. .. .. آخر تم نے مجھے پہچان ہی لیا .. .. .. !

بڈھا اپنے آنسو پونچھتا ہے، اپنے پھٹے ہوئے لحاف کے ایک کونے سے ۔ پنڈت جی اس کی بغل میں ہات دیکر اسے اپنے پاس ایک کونے میں بچھے ہوئے دیوان پر بٹھاتے ہیں ۔ بڈھا اپنی خوشی

کے آنسو پھر پونچھتا ہے۔

پنڈت نہرو: منی کیسی ہے؟

بھگواندین: منی کا بیاہ ہو گیا، اب تو بھگوان کی کرپا سے اس کے دو بچے ہیں۔

پنڈت نہرو: اور دینو؟

بھگواندین: دینو بڑا ہو گیا اور کان پور چلا گیا۔ کارکھانے میں نوکر ہے کبھی کبھی اس کی چٹھی آجاتی ہے۔۔۔!

پنڈت جی: اور بھوجائی۔۔۔؟

بھگواندین: تمہاری بھوجائی مر گئی۔

پنڈت جی: ارے۔۔۔ تم نے مجھے خط نہیں لکھا؟

بھگواندین: کیا لکھتا؟ لوگ تو روز ہی مرتے رہتے ہیں۔

وقفہ

پنڈت جی خاموش ہو جاتے ہیں، پھر گفتگو کا لہجہ بدل کر کہتے ہیں۔

پنڈت جی: اور تمہارا بڑا لڑکا کہاں ہے، وہ تو اب جوان ہو گیا ہو گا؟

بھگوان دین: وہ تو گاؤں میں ہے اور جوان بھی ہو گیا ہے، اور اس کا بیاہ بھی ہو گیا ہے۔

پنڈت نہرو: گھر میں اور تو ہر طرح سے خیریت ہے؟ سب ٹھیک ہے نا؟

کب سے تمہارے گھر کو نہیں دیکھا۔۔۔!

بھگواندین: گھر تو ویسا ہے، اور گاؤں بھی ویسا ہے۔

پنڈت نہرو: کہو، الہ آباد کیسے آئے؟ کوئی کام تھا؟

بھگواندین: تم سے ملنے آیا تھا اور مل کر تمہیں نیوتہ دینے آیا تھا!

پنڈت نہرو: کیسا نیوتہ؟

بھگوان دین: کھانے کا نیوتہ! یاد ہے، جب کبھی تم ہمارے پرتاپ گڈھ سے گذرے تم نے ہمیشہ میرے ہاں کھانا کھایا۔ ... !

پنڈت نہرو: بھول سکتا ہوں؟ چنے کا ساگ اور مکئی اور باجرے کی روٹی بھوجائی کے ہات کی سینکی ہوئی، کیسے بھول سکتا ہوں؟ وہ آزادی کی لڑائی میں تمہاری مضبوط رفاقت اور محبت، دلیری اور جرارت ... !

بھگوان دین: تو آج میرے گھر چلو۔

پنڈت نہرو: آج تو نہیں ... !

بھگوان دین: تو کل:

پنڈت نہرو: کل بھی نہیں۔

بھگوان دین: پرسوں!

پنڈت نہرو: پرسوں بھی نہیں، ابھی تو فرصت نہیں ہے بڑے بھیا، بہت کام ہے ..... مگر میں کسی دن آؤنگا۔

بھگوان دین: کس دن آؤ گے؟ سترہ سال ہوگئے تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے۔ گیارہ سال سے میرے گھر کی مفلسی تمہارا انتظار کرتی ہے میرے کھیتوں کی بھوک تمہارا انتظار کرتی ہے، جواہر!

پنڈت نہرو: مجھے شرمندہ مت کرو بڑے بھیا ... کیا ہم ... کیا ... ہم ... ہم تمہارا پھٹا ہوا لحاف نہیں دیکھ سکتے ... ارے بھائی اتنی سردی بڑھ چلی ہے اور تم یہی پھٹا ہوا لحاف اوڑھے ہوئے ہو ... ؟

[زور سے گھنٹی بجاتے ہیں، ایک نوکر نمودار ہوتا ہے]

پنڈت نہرو: شیامو، ایک نیا کمبل لے کر آؤ۔ دیکھو، دیکھو ... خوب موٹا اور مضبوط ہو اور ایک نئی جرسی لے کر آؤ۔ ان کے لئے ... اونی جرسی ... ان کے سائز کی ہو، اچھی طرح

سے دیکھ لو۔۔ ۔۔ ۔۔سائز بھی لو۔۔ ۔۔ ۔۔ !

شیامو :جی بہت اچھا۔

پنڈت نہرو: کھڑکی بند کر دیں بڑے بھیّا، باہر سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔

بھگواندین: نہیں کھلی رہنے دو، اس میں سے آسمان دکھائی دیتا ہے اور تارے بھی۔۔ ۔۔ ۔۔!

پنڈت نہرو: (ہنس کر) ہاں مجھے یاد ہے، جیل میں بھی تم ہمیشہ کمرے کے بجائے کھلے لان میں سونا پسند کرتے تھے، آسمان کے نیچے تاروں بھری چھاؤں میں۔۔ ۔۔ ۔۔! بھگواندین: میں ایک کسان ہوں نا۔!

پنڈت نہرو۔ مگر جب تمہاری حالت اچھی تھی، جب تو ہم تمہارے گھر بھی گئے تھے، پھر کیا ہوا؟

بھگوان دین :۔ پھر آزادی مل گئی ہے۔

پنڈت نہرو : تو آزادی کیا نہ ملتی؟ آزادی سے کیا نقصان ہوا، آزادی ملتے ہی ہم نے زمینداری ختم کر دی جو انگریزوں کے زمانے میں کبھی ختم نہ ہوئی۔

بھگواندین: زمینداری ختم ہوئی تو بھومی داری آگئی: زمین پر ملکیت تو کسی نہ کسی کی رہی۔ کھیت مجو ربھی وہیں رہے، زمین بھی اسی طرح چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹی رہی، کسان اسی طرح بارش کے لئے آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ کبھی تو ایک بوند نہ برسی اور کبھی آندھیاں برسا کر ساری فصل بہا کر لے گیا۔ اور تم جانتے ہو جواہر، ایک کسان کی خوشحالی کتنی ناپائیدار ہوتی ہے۔ ایک سوکھا یا ایک سیلاب آیا اور گھر کی ساری خوشحالی ختم ہوگئی۔ تمہاری بھوجائی فاقے سے مر گئی، دینو بمبئی چلا گیا گھر کی دیواریں ڈھے گئیں۔ ۔۔ تم نے بہت اچھا کیا جو میرا نیوتہ نہیں مانا۔ مانتے تو آج میں تمہیں چنے کا ساگ اور باجرے کی روٹی بھی نہ کھلا سکتا۔ ۔۔ ۔۔ !

[پنڈت جی اٹھ کر غم اور غصّے سے ٹہلنے لگتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی انگلیاں بے چین ہیں۔ یکا یک باہر سے شور سنائی دیتا ہے۔ پنڈت جی غصّے سے پلٹ کر پوچھتے ہیں]

پنڈت نہرو: بڑے بھیا، یہ باہر کیسا شور ہو رہا ہے؟

بھگوان دین: وہ جو ہم پر حکومت کرتے ہیں وہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔

پنڈت نہرو: (پاؤں پٹک کر غصے سے) نان سینس۔

بھگوان دین: وہ جھگڑتے ہیں اور میرا لحاف پھٹا جا رہا ہے۔

[پنڈت جی خاموشی سے ٹہلتے جاتے ہیں۔]

بھگوان دین: اور کھیت سوکھتے جاتے ہیں۔

وقفہ

بھگوان دین: اور گاؤں کے گھر گرتے جاتے ہیں:۔

وقفہ

بھگوان دین: اور بچے بمبئی کو بھاگتے جاتے ہیں یا کان پور کو یا احمد آباد کو۔ گاؤں کی گلیوں میں صرف بڈھے رہ گئے ہیں یا اندھے۔

وقفہ

بھگوان دین: بڈھوں کے لئے کوئی کام نہیں ہے، اور بچوں کے لئے کوئی اسکول نہیں ہے۔

پنڈت جی جو اس دوران میں غصے سے ٹہل رہے تھے اور ٹہلتے ٹہلتے ان کے غصے کا پارہ دمبدم بڑھتا جا رہا تھا یکایک پلٹ کر بھگوان دین کے سامنے آکر کہتے ہیں

پنڈت نہرو: How do you expect me to change all This in seventeen years.

سترہ سالوں میں تمہیں معجزہ کہاں سے لا کے دکھا دیتا؟ غریبی دور کرنے کے لئے میرے پاس کوئی الٰہ دین کا چراغ تو نہ تھا۔ ... پھر بھی ہم کوشش کرتے رہے۔ جانتے ہو انگلینڈ کو

موجودہ خوشحالی حاصل کرنے کے لئے چار سو سال لگے، امریکہ کو ڈیڑھ سو سال، روس نے چالیس سال لئے۔ میں سترہ سال میں کیا کردوں؟ اس سے زیادہ؟۔ ۔ ۔ ۔ لوگ جھگڑتے ہیں، لوگ کام نہیں کرتے، لوگ بے ایمان ہیں، لوگوں کے دل میں دیش کا درد نہیں ہے، تو دیش آگے کیسے بڑھے گا۔ It is a problem بڑے بھیا۔ ۔ ۔ لوگوں کو کیسے بدلہ جائے۔ یہ بڑا بھاری پرابلم ہے۔ ہمارے سامنے، ہم کیسے بدلیں؟ کیسے آگے جائیں؟ ــ مگر دھیرے دھیرے کام ہو رہا ہے۔ دھیرے دھیرے ملک میں صنعتیں ترقی کر رہی ہیں، دھیرے دھیرے ڈیم بن رہے ہیں، دھیرے دھیرے سوکھے کھیتوں میں پانی بھی آجائے گا: ۔ ۔ ۔ ہو تو رہا ہے مگر دھیرے دھیرے۔ ۔ ۔ ۔ ۔!

بھگواندین: خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک!

پنڈت نہرو: (کچھ سوچ کر) اور ایک دن میری خاک سے ہری کونپلیں بھی پھوٹیں گی۔ ۔ ۔ ۔ لو تمہارا کمبل آگیا۔ ۔ ۔ اور نئی جرسی بھی۔ ۔ ۔ انہیں پہن لو

بھگواندین: نہیں۔ ۔ ۔ نہیں۔ ۔ ۔!

پنڈت نہرو: پہن لونا۔ ۔ ۔ نہیں پہنو گے تو ہم خود پہنا دیں گے۔ شیاما! تم ان کے ہات پکڑ دیں جرسی پہناتا ہوں۔ دیکھتا ہوں کیسے نہیں پہنتے ہیں!

پنڈت جی زبردستی بڈھے کسان کو جرسی پہنا دیتے ہیں اور اس کا پھٹا لحاف الگ کر کے اسے نیا کمبل اڑھا دیتے ہیں اور خوش ہو کر کہتے ہیں۔

پنڈت نہرو: دیکھو، اب تو تمہیں سردی نہیں لگ رہی ہے نا؟ اب تو سب ٹھیک ہے نا؟

بڈھا خوش ہو کر اپنے نئے کمبل کو دیکھتا ہے، اپنی نئی جرسی کو چھوتا ہے اور خوش ہو کر گلوگیر لہجے میں کہتا ہے۔

بھگوان دین: ہاں یہ کمبل تو بہت اچھا ہے۔۔ ۔۔ ہاں یہ اونی بنڈی بھی بہت عمدہ ہے۔۔۔!

پنڈت نہرو: اونہہ ہوں!

پنڈت نہرو: شیامو!۔ ۔۔ ۔ اس پھٹے ہوئے لحاف کو باہر پھینک دو۔

[بڈھا نوکر سے لحاف چھین لیتا ہے]

بھگواندین: مگر میرے گاؤں میں اور بھی پھٹے ہوئے لحاف ہوں گے۔

پنڈت نہرو: اونہہ ہوں!

بھگواندین: تین سو کے قریب پھٹے ہوئے لحاف ہوں گے، صرف میرے گاؤں میں، اور اگر آس
پاس کے گاؤں بھی شامل کر لئے جائیں۔۔ ۔۔ ۔ تو ۔ ۔۔ ۔۔؟

پنڈت نہرو: اونہہ ہوں!

بھگوان دین: اور میرے بڑے بیٹے کو سردی کھا کھا کر تپ دق ہو گیا ہے۔ اور دور دور تک
ہمارے علاقے میں کوئی اسپتال نہیں ہے اور جہاں اسپتال ہے وہاں کوئی بستر خالی
نہیں ہے!

باہر کا شور پھر بڑھ جاتا ہے، اب کے جھگڑنے والوں کی آوازیں بھی صاف صاف سنائی
دیتی ہیں۔

ایک آواز: واہ تمہارے دھڑے کے تین وزیر لئے جائیں اور ہمارا صرف ایک۔

آواز نمبر ۲: اور ہمارے دھڑے سے ایک وزیر بھی نہ لیا جائے۔

آواز نمبر ۳: اور تمہارا دھڑا اسپیکر شپ بھی لے جائے۔

آواز نمبر ۴: جو نیا افسر چلا آ رہا ہے، بنارس سے چلا آ رہا ہے۔

آواز نمبر ۵: تو کیا تمہارے سیتاپور سے آئے۔

آواز نمبر ۱: سیتا پور کی ایسی تیسی۔

آواز نمبر ۲: تمہاری ایسی تیسی!

شور بڑھتا جاتا ہے، پھر یکایک کم ہو کر دور ہو جاتا ہے، جیسے شور کرنے والے باہر دھکیلے جا رہے ہوں۔ بڈھا بھگوان دین پنڈت نہرو کے قریب آکر کہتا ہے۔

بھگوان دین: یہ لوگ بھاشن سے ٹھیک نہ ہوں گے۔

پنڈت نہرو: میں زبردستی کرنے کے خلاف ہوں۔ میں لوگوں کی ذہنیت بدلنا چاہتا ہوں چاہے وہ دھیرے دھیرے ہی کیوں نہ بدلے؟

بھگوان دین: ابھی تو کام دھیرے دھیرے ہو رہا ہے اور میں مانتا ہوں کہ کام ہو رہا ہے۔ مگر جس رفتار سے رشوت ستانی، بے ایمانی، خویش پروری، فرقہ پرستی اور ذات پات کی حمایت بڑھ رہی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد یہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے والا کام بھی بند ہو جائے۔ ... پھر تم کیا کرو گے؟

پنڈت نہرو: میں لڑوں گا... میں لڑوں گا... میں محبت کے ہتھیار سے لڑوں گا۔

بھگوان دین: تم بہت بھلے آدمی ہو... جواہر بہت نیک آدمی ہو۔ تمہارے دل میں کسی کے لئے برائی نہیں ہے... تم چاہتے ہو کہ بے ایمان، کینہ پرور، منافع خور لوگوں کا دل بھی محبت سے بدل دیا جائے... مگر آج وقت بہت کم ہے اور لوگ تین سو سال تک انتظار نہیں کر سکتے۔ وہ لوگ جو بھوکے ہیں اور ننگے ہیں اور جہالت اور بیماری کے مارے ہیں، کب تک پتھر سے آنسو نکلنے کا انتظار کریں گے... ذرا سوچو... میرے بھائی... ہم دونوں نے آزادی کی خاطر جیل میں عمریں بتائی ہیں... تم نے اور میں نے... یہ دیش تمہارا گھر ہے اور میرا گھر بھی ہے۔ تم لوگوں کو بھگوان بدھ کے راستے پر چلانا چاہتے ہو، آج اس دیش کو ایک شنکر آچاریہ

کی ضرورت ہے۔

پنڈت نہرو چونک کر بھگوان کی طرف دیکھتے ہیں اور کھلی کھڑکی میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آسمان میں کھلے ہوئے تاروں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ اب ان کی پیٹھ بھگوان دین کی طرف ہے۔

بھگوان دین آہستہ سے مسکراتا ہے، وہ بھی آگے بڑھ کر کھلی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا ہاتھ پنڈت نہرو کی کمر میں ڈال دیتا ہے۔ پنڈت نہرو اس کی طرف دیکھے بغیر آسمان کی طرف تکتے ہوئے کہتے ہیں۔

پنڈت نہرو: کبھی کبھی میں بہت اکیلا پن محسوس کرتا ہوں۔

بھگوان دین: کبھی کبھی مجھے بھی احساس ہوتا ہے کہ تم بالکل اکیلے رہ گئے ہو۔

تمہیں پرانے دوستوں کی ضرورت ہے، میرے جیسے کسانوں کی۔ ۔ ۔ ۔ اور شاید نئے دوستوں کی بھی ضرورت ہے، جیسا میرا بیٹا دینو ہے جو کان پور کے کارکھانے میں کام کرتا ہے۔

پنڈت نہرو: میں تھک گیا ہوں، مجھے سردی لگ رہی ہے۔ بڑے بھیا۔ اپنا لحاف مجھے دیدو۔

بھگوان دین: ہاں، میرا پھٹا ہوا لحاف اوڑھ لو۔ اس میں تین پشتوں کی تری ہوئی آرزوئیں بند ہیں۔ ۔۔ یہ لحاف اوڑھ لو، اور میرے گاؤں چلو، چلو۔۔ ۔۔ جواہر۔ کیونکہ صبح دم ہوا کے پہلے جھونکے کی طرح اور امڈی ہوئی گھٹاؤں کے پہلے قطرے کی طرح لوگ ہر جگہ کھیتوں میں تمہارا انتظار کرتے ہیں!

پنڈت نہرو وہ پھٹا ہوا لحاف اوڑھ لیتے ہیں اور بھگوان دین کے ہات میں ہات دیکر کھڑکی سے پلٹ کر بھگوان دین کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ سارے کمرے میں اندھیرا چھا جاتا ہے، صرف بھگوان بدھ کی مورتی پر روشنی کی ایک ہلکی سی چھوٹ پڑ رہی ہے۔

پردہ

●

MATRIMONIAL

Wanted Suitable Match For A youngman aged 25, healthy and handsome, comes from respectable Khatari Kapur family, holding good career, well settled in busine·· income over Rs. Two Thou··· ·nthly. Girl's parents ·· ··· Box 4496 The T··· ·

··· ·3996

And ···

شادی سے متعلق

··· ·in ··· ·pees ··· per m··· ··· details ··· Times of I··· ·

Well-··· Pun··· ··· ·ce· ··· ·children ir··· ··· ·om middle-age ··· ·ture minds preferat ··· ·ni professionals (medicos ··· ·rs) of independent means without encumbrance; view marriage. Send details in confidence to Box 4504 The Times of India, Delhi.

• D9068

RADIOS, GRAMOPHONES, ETC.

For Sale Phillips Tape Recorder In excellent condition. Contact Chandermohan 27, Nizamuddin East, New Delhi. Phone 74495. D9071

For Sale Imported Radiogram With built-in tape recorder. Price approximately Rs. 2,500 Write Box 4505 The Times of India, Delhi. D···

رشتے کی ضرورت

سیٹھ جوکھم داس اپنے وسیع کیبن میں ساگوان کی ایک عمدہ میز سامنے رکھے ایک گھومنے والی کرسی پر بیٹھے ہیں۔ ان کے بالکل قریب سیٹھ جوکھم داس کا چھوٹا بھائی سیٹھ لوکھم داس بیٹھا ہے دونوں کے چہروں پر بھائیوں والی مشابہت پائی جاتی ہے۔ لباس ایک سا ہے، وضع قطع ایک سی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سیٹھ جوکھم داس عمر میں بڑا دکھائی دیتا ہے اور لوکھم داس اس کا چھوٹا ایڈیشن معلوم ہوتا ہے۔

سیٹھ جوکھم داس کے دائیں طرف ذرا فاصلے پر اس کا پرائیویٹ سیکریٹری بیٹھا ہے۔ ایک فائل آگے بڑھاتا ہے۔ سیٹھ جوکھم داس فائل دیکھ کر اپنے چھوٹے بھائی کی طرف مڑ کر کہتا ہے

لوکھم؟

جی جوکھم!

اس فائل میں سات سو عرضیاں ہیں لڑکی والوں کی جو اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے گھوکھم داس سے کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس میں سے صرف سات عرضیاں چھانٹی ہیں اور آج انہیں انٹرویو کے لئے بلایا ہے۔

لوکھم : (خوش ہوکر) لڑکیوں کو؟ (فوراً اپنے سر کی پگڑی وغیرہ ٹھیک کرنے لگتا ہے)
جوکھم : لڑکیوں کو نہیں ان کے باپ کو۔
لوکھم : اوہ! (ہونٹ لٹک جاتا ہے)
جوکھم : میں باری باری ہر ایک کا انٹرویو لیتا جاؤں گا۔ تم غور سے سب کچھ دیکھتے اور سنتے جاؤ، اور تم (سیکریٹری سے مخاطب ہوکر) سب سوال جواب نوٹ کرتے جاؤ۔
سیکریٹری: ست بچن!
جوکھم : (فائل سے ایک عرضی نکال کے سیکریٹری کو تھما کے) اس عرضی والے کو بلاؤ۔
[سیکریٹری عرضی لے کر ایک لمحہ کے لئے خاموشی سے اس کا مطالعہ کرتا ہے پھر ٹری پھرتی سے ایک بٹن دباتا ہے، باہر گھنٹی ہوتی ہے۔ ایک چپراسی اندر آتا ہے]
سیکریٹری: شری بھیکم داس کو اندر بھیجو۔
چپراسی لوٹ جاتا ہے۔ چند لمحوں کے بعد کیبن میں شری بھیکم داس داخل ہوتا ہے چہرے بشرے سے ملنے جلنے کے انداز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی والا ہے۔
جوکھم داس: بھیکم داس جی۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو کیوں بلایا ہے اور میں بھی جانتا ہوں کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔ لہذا بیکار کی باتوں میں وقت ضائع نہ کرتے ہوئے میں اصلی مطلب کی بات پر آتا ہوں۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور آپ کا وقت بھی بہت قیمتی ہوگا۔ اس لئے نہایت مختصر گفتگو ہوگی۔ آپ کم سے کم الفاظ میں میرے سوالات کا جواب دیتے جائیے، میرا سیکریٹری سب گفتگو نوٹ کریگا بعد میں فیصلہ سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ کہئے یہ طریقہ منظور ہے۔
بھیکم داس: جی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جوکھم داس: بہت خوب! ۔۔ اچھا ۔ تو (ہات میں پنسل پکڑ اسے گھماتے ہوئے) لڑکی کا نام؟

بھیکم : ینا کماری ۔ مگر گھر میں سب لوگ اسے پیار سے مینا کہتے ہیں ۔

لوکھم : مینا بہت پیارا نام ہے ۔

جوکھم : لوکھم ؟

لوکھم : جی جوکھم

جوکھم : تم چپ رہو

لوکھم : (سہم کر) بہت اچھا ۔

سیکریٹری : (لکھتے ہوئے) مینا کماری عرف مینا!

جوکھم : عمر؟

بھیکم : بیس سال

جوکھم : رنگ؟

بھیکم : جناب میری بیٹی کا رنگ گو سانولا ہے لیکن اس نے پچھلے سال نینی تال کی نمائش کے موقع پر بیوٹی کمپٹیشن میں فرسٹ پرائز حاصل کیا ہے ۔

لوکھم : مجھے خود سفید رنگ کی عورت پسند نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ دلہن کے بجائے شلجم کھا رہے ہیں ۔ جس رنگ میں نمک نہ ہو وہ رنگ پھیکا ہے، جس حسن میں ملاحت نہ ہو وہ حسن سیٹھا ہے ۔

جوکھم : لوکھم ؟

لوکھم : جی جوکھم!

جوکھم : شادی تمہاری نہیں ہو رہی ہے، گھوگھم کی ہو رہی ہے ۔

لوکھم : اوہ!

جوکھم : لڑکی کا قد کیا ہے؟

بھیکم : پانچ فٹ تین انچ۔

جوکھم : کمر؟

بھیکم : کمر چھبیس انچ، سینہ بتیس انچ، کولھا سینتیس انچ، وزن ایک من تیس سیر تعلیم نو جمع دو گیارہ جماعت۔

جوکھم : اوہ! آپ کو تمام اعداد و شمار خوب یاد ہیں۔

بھیکم : اکثر جگہ انٹرویو پر جانا پڑتا ہے اس لئے یہ اعداد و شمار از بر ہو چکے ہیں۔

جوکھم : اچھا ہے اس سے وقت بچ جاتا ہے اور آج کل بزنس میں وقت ہی روپیہ ہے۔ ہاں! اس سے خوب یاد آیا، آپ کتنا انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں؟

بھیکم : ایک لاکھ پچیس ہزار سالانہ۔

جوکھم : سیکریٹری نوٹ کرو۔

سیکریٹری: ست بچن۔

جوکھم : سیٹھ بھیکم داس جی، آپ کی لڑکی بات چیت میں کیسی ہے؟

بھیکم : جیسے لڑکیاں بات چیت کرتی ہیں، شرما کے۔

جوکھم : میرے بیٹے گھوکھم داس کو شرمیلی لڑکی پسند نہیں ہے۔

بھیکم : یوں مینا بات کرنے پر آجائے تو گھنٹوں بات کر سکتی ہے۔ اس نے کالج کی ڈیبیٹنگ سوسائٹی میں فرسٹ پرائز حاصل کیا تھا۔

جوکھم : مگر میرے بیٹے کو بہت زیادہ بات کرنے والی لڑکی بھی پسند نہیں ہے۔

بھیکم : یہ پرائز اس نے آج سے چار سال پہلے حاصل کیا تھا، اب تو وہ بہت کم بات کرتی ہے۔
جوکھم : گوشت کھاتی ہے؟
بھیکم : جی نہیں۔
جوکھم : مگر میرا بیٹا تو گوشت کھاتا ہے۔
بھیکم : تو وہ بھی کھائے گی
جوکھم : مگر اسے گوشت کھانے والی لڑکی پسند نہیں۔
بھیکم : تو وہ نہیں کھائے گی۔
جوکھم : مگر اسے ایسی لڑکی پسند ہے جو خود گوشت نہ کھائے مگر دوسروں کیلئے پکا دے۔
بھیکم : وہ ماس، مچھلی، انڈا، مرغی سب پکانا جانتی ہے۔ کھڑے مصالہ کا قورمہ، میٹھے مصالحہ کا روغن جوش، نرگسی کوفتے اور لکھنوی کوفتیاں، شامی کواب اور ایرانی پلاؤ سب پکانا جانتی ہے۔
جوکھم : آپ تو ایسے بات کرتے ہیں جیسے وہ کسی ہوٹل میں باورچن رہ چکی ہو۔
بھیکم : ہوٹل کی باورچن تو نہیں ہوٹل کی مالک ضرور ہے۔ میں مائی لارڈ ہوٹل کا مالک بھی ہوں میری بیٹی کے ناطے سے مینا کا اس میں حصّہ ہے۔
جوکھم : مائی لارڈ ہوٹل آپ کا ہے؟
بھیکم : جی ہاں!
جوکھم : مائی گاڈ۔ آپ نے پہلے نہیں بتایا۔
بھیکم : پہلے آپ نے سوال ہی نہیں کیا۔
جوکھم : سیکریٹری، نوٹ کرو مائی لارڈ ہوٹل آپ کا ہے۔

لوکھم : مائی لارڈ ہوٹل میں آج کل ایک نئی کیبرے گرل آئی ہے۔ مس جین البا کا مورت ہے یا بم کا دھماکہ ۔۔۔ کیا آپ اسے جانتے ہیں؟

جوکھم : لوکھم ؟

لوکھم : جی جوکھم ۔۔۔ جی بہت اچھا ۔۔۔ جی اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔

جوکھم : معاف کیجئے گا۔ سیٹھ بھیکم داس جی، آپ کو بہت تکلیف دی۔ کل بذریعہ ٹیلی فون آپ کو اپنے فیصلے سے مطلع کروں گا۔ ہاں عزیز گھوگھم داس کے بارے میں اگر آپ کچھ دریافت کرنا چاہتے ہوں تو ضرور دریافت کر سکتے ہیں (گھڑی دیکھ کر) میں آپ کو اس کے لئے دو منٹ دوں گا۔

بھیکم : جی نہیں، مجھے سب معلوم ہے۔ عزیز گھوگھم بمبئی کے سب سے بڑے رئیس اور بزنس مین کا بیٹا ہے۔ نویں فیل ہے ہکلاتا ہے۔ بے حد عیاش اوباش اور خرچیلا ہے۔ غرضیکہ مکمل احمق ہے۔

جوکھم : (چونک کر) ۔۔۔ احمق ہے ۔۔ ۔ ۔۔ آپ جانتے ہیں ۔۔ ۔۔ پھر بھی اپنی بیٹی کی شادی میرے لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں، کیوں ؟۔

بھیکم : کیونکہ آج کل ہر شادی ایک بزنس پرالپوزیشن ہوتی ہے میں اپنی مینا کی شادی عزیز گھوگھم سے نہیں کر رہا ہوں، میں اپنی لڑکی کی شادی بمبئی کی سب سے بڑی بزنس کارپوریشن سے کر رہا ہوں۔

جوکھم : ہاتھ ملائیے سیٹھ بھیکم داس جی، آپ کی صاف گوئی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ میں کل صبح دس بجے آپ کو ٹیلی فون کروں گا، ضرور کروں گا۔

بھیکم : او کے۔ ۔ نمسکار!

جوکھم، لوکھم: نمسکار

جب بھیکم کمرے کے دروازے سے باہر چلا جاتا ہے تو جوکھم اپنے سکریٹری کی طرف مڑ کر کہتا ہے۔

جوکھم : Next Please

سیکریٹری دوسری عرضی پر نظر ڈال کر بٹن دباتا ہے۔ چپراسی اندر آتا ہے، سیکریٹری اس سے کہتا ہے۔

سکریٹری: شری جوحکم داس کو اندر بھیجدو۔

چپراسی چلا جاتا ہے، چند لمحوں کے بعد شری جوحکم داس اندر آتے ہیں۔

جوکھم داس: تشریف رکھئے۔ (جوحکم داس بیٹھ جاتا ہے)

جوکھم : آپ کا نام؟

جوحکم داس: جوحکم داس۔

لوکھم : پہلے بھیکم داس آئے تھے اب جوحکم داس آگئے ہیں۔ آج جو آتا ہے داس ہی آتا ہے۔

جوحکم داس: دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک جو باس ہوتے ہیں دوسرے جو داس ہوتے ہیں۔

لوکھم : اور جو اس تفریق کو نہ مانیں؟

جوحکم داس: وہ نہ باس ہوتے ہیں نہ داس ہوتے ہیں بلکہ سماج کے اصطبل کی گھاس ہوتے ہیں

جوکھم : (کھانس کر) اس قسم کے سب جھیلے بکواس ہوتے ہیں (پھر کھانس کر) شری جوحکم داس جی، آپ بھی جانتے ہیں میں نے آپ کو کیوں بلایا ہے اور میں بھی جانتا ہوں کہ آپ یہاں

کیوں آئے ہیں۔ لہذا بیکار کی باتوں میں وقت ضائع نہ کرتے ہوئے میں اصلی مطلب کی
بات پر آتا ہوں میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور آپ کا وقت بھی قیمتی ہوگا۔ اس
لئے نہایت مختصر گفتگو ہوگی۔ آپ کم سے کم الفاظ میں میرے سوالات کے جواب دیتے جائیے
میرا اسیکریٹری گفتگو نوٹ کرے گا۔ بعد میں فیصلہ سے آپ کو آگاہ کر دیا جائے گا کہئے
یہ طریقہ منظور ہے؟

جوحکم داس: جو حکم!

جوکھم : اچھا تو سب سے پہلے نام بتائیے۔

جوحکم داس: نام اس کا شینا ہے۔

جوکھم : قد؟

جوحکم داس: قد بوٹا سا ہے، نہ بہت اونچا نہ بہت چھوٹا بلکہ ایسا کہ اگر ڈرائنگ روم میں رکھیے
تو ڈرائنگ روم کی ساری سجاوٹ اسی سے ہو اور اگر بیڈ روم میں دکھیے تو بیڈ روم کا مرکز معلوم ہو

جوکھم : رنگ کیسا ہے؟

جوحکم داس: سنہری۔ نہ کالا نہ سانولا، نہ گندمی نہ گورا۔ یہ سب رنگ آوٹ آف ڈیٹ ہو چکے ہیں۔
اس کا رنگ تو بالکل سونے کا سا دمکتا ہوا ہے۔ دیکھئے گا تو غش کھائیے گا۔

جوکھم : خدوخال؟

جوحکم داس: خدوخال میں ہماری شینا کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہتر سے بہتر مغربی ماڈل
اس کے آگے پانی بھرتے ہیں۔ اس کی چھب، بانکپن اور خطوط کی نازکی اجنتا کی سندرتا
کو مات کرتے ہے۔

جوکھم : گاتی بھی ہیں؟

جوحکم داس: گانا تو صاحب جس زبان کا چاہے سن لیجئے۔ اک ذرا اشارے کی دیر ہے۔ ہندی اور گجراتی، مراٹھی بنگالی، سنہالی، تامل، تلگو جس زبان کا گانا چاہے سن لیجئے اور جس رنگ کا جو چاہے دادرا دھرپد، خیال، ٹھمری، فلمی قوالی، بھجن، کیرتن جو چاہے سنئے۔

جوکھم : میرے لڑکے کو گانے کا بہت شوق ہے وہ بالکل ایسی ہی چاہتا ہے۔

جوحکم داس: جوحکم، میں تو اسی لئے حاضر ہوا ہوں

جوکھم : اور تعلیم؟

جوحکم داس: تعلیم؟ عجیب سوال کیا آپ نے۔ خیر۔ تعلیم کا بھی انتظام ہے اور یہ تو انسان کے اپنے ذوق پر منحصر ہے کہ وہ کس قسم کی تعلیم و تربیت چاہتا ہے ورنہ جہاں تک ہماری شینا کا تعلق ہے آپ اس سے انگریزی میں تقریریں سنیں، ہندی میں۔ فرنچ میں، وہ ادب تاریخ و فلسفہ اور پالیٹکس کسی میدان میں بند نہیں ہے۔

جوکھم : وزن کے بارے میں کچھ بتایا نہیں آپ نے؟ میرے لڑکے کو بھاری بھرکم پسند نہیں آتیں۔

جوحکم داس: اجی آج کل کسی کو بھی پسند نہیں آتیں سیٹھ جی۔ زمانہ بدل گیا ہے آج کل تو ہر شخص latest design۔ اور سٹریم لائن صورت پر فدا ہے۔ ہماری شینا بھی بالکل جدید مشین کی ہے۔

جوکھم : مگر وزن؟

جوحکم داس: کہہ تو رہا ہوں حضور وزن صرف ایک سو بیس پاؤنڈ ہے۔ ایسی ہلکی اور سبک اور نازک اندام ہے کہ جب جی چاہے گود میں اٹھا کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جائیے (جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگتا ہے)

جوکھم : لوکھم ؟

لوکھم : جی جوکھم۔

جوکھم : (سرگوشی میں) یہ لڑکی تو مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے!

لوکھم : (سرگوشی میں) اجی جو صفات یہ بیان کر رہا ہے اس سے آدھی بھی اگر لڑکی میں موجود ہوں تو فوراً رشتہ کر لیجئے۔

جوکھم : میرا بھی ایسا خیال ہے (مڑ کر جوحکم داس سے) معاف کیجئے گا، ایک ضروری بات پوچھنا بھول گیا ہوں۔ آپ انکم ٹیکس کتنا ادا کر رہے ہیں؟

جوحکم داس: انکم ٹیکس ــــ مگر انکم ٹیکس سے شینا کا کیا تعلق ہے؟

جوکھم : دیکھئے یوں تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ لڑکی سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں اس قسم کی باتوں میں حسب نسب بھی دیکھا جاتا ہے۔

جوحکم داس: انکم ٹیکس ــــ مگر انکم ٹیکس سے شینا کا کیا تعلق ہے؟

جوکھم : دیکھئے یوں تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ لڑکی سے تو کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں اس قسم کی باتوں میں حسب نسب بھی دیکھا جاتا ہے۔

جوحکم داس: اوہ ــــ سمجھا ــــ خوب سمجھا! ــــ اجی جناب سیٹھ جوکھم داس صاحب! آپ یہ معاملہ کسی للو پنجو سے نہیں کر رہے ہیں۔ ہماری فرم گذشتہ پچاس سال سے اسی بمبئی میں کام کر رہی ہے۔ سارے دفاتر بمبئی کے علاوہ کلکتہ، مدراس، بنگلور، دلی اور ناگپور میں بھی ہیں...... ہمارا ہیڈ آفس نیویارک میں ہے، ایک فیکٹری لندن میں بھی ہے، ہم صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا کے دس ملکوں میں انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اور جو رقم ہم نے اس سلسلے میں گذشتہ سال ادا کی ہے اس کی مالیت دو کروڑ روپئے سے کم نہ ہوگی

جوکھم : دو کروڑ روپئے؟
جوحکم داس: جی ہاں!
جوکھم : لو کھم؟
لوکھم : جی جوکھم!
جوکھم : (سرگوشی میں) میرے خیال میں یہ معاملہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔
لوکھم : (سرگوشی میں) فوراً ہاں کر دیجئے۔

سیٹھ اپنے چھوٹے بھائی سے گفتگو کر کے جوحکم داس کی جانب پلٹتا ہے تو جوحکم داس سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے کہتا ہے۔

جوحکم داس: کہئے کچھ اور پوچھنا ہو تو پوچھ لیجئے، اپنے دل کے سارے شبہات مٹا لیجئے۔
جوکھم : جی نہیں۔ اب نہ کچھ پوچھنا ہے' نہ کہنا ہے نہ سننا ہے نہ ہمارے دل میں کوئی شک شنکا باقی ہے ہمیں تو منظور ہے۔
جوحکم داس: آپ کو منظور ہے تو مجھے بھی منظور ہے۔
جوکھم : تو ملائیے ہات۔
جوحکم داس: (ہات ملا کر) جوحکم۔
جوکھم : اب فرمائیے منگنی کی کون سی تاریخ مقرر کی جائے؟
جوحکم داس: منگنی؟ — کیسی منگنی؟
جوکھم : آپ بھی خوب مذاق کرتے ہیں سیٹھ جی، بھلا شادی سے پہلے منگنی نہیں ہوتی؟
جوحکم داس: شادی؟ کس کی شادی؟
جوکھم : آپ کی لڑکی کی میرے لڑکے سے شادی۔ میں نے اس سلسلے میں آج لوگوں کو انٹرویو

کے لئے بلایا تھا۔

جوحکم داس: مگر میری تو کوئی لڑکی ہی نہیں ہے۔

جوکھم: لڑکی نہیں ہے ___ تو پھر اب تک یہ گفتگو کس سلسلے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ شینا کون ہے

جوحکم داس: شینا؟ ___ اوہ ___ شینا تو ریڈیوگرام ہے۔ میں شینا ریڈیوگرام مشین کمپنی کا ایجنٹ ہوں۔ میں اپنی مشین بیچنے آیا تھا۔۔ ۔۔ کسی لڑکی کا سودا کرنے نہیں آیا تھا۔۔ ۔۔ معاف کیجیے گا، غلط فہمی ہو گئی۔

لوکھم داس: جوکھم داس، سیکریٹری سب ہکا بکا ہو کر جوحکم داس کی طرف دیکھتے ہیں جوحکم اپنی ٹوپی میز سے اٹھا کر سر پر پہن کر افسوس سے سر ہلاتے ہوئے چلنے لگتا ہے۔

(پردہ)

ATROCITIES BY ... MEN

غیر انسانی ظلم و ستم

Victim ... Eichm...

... who escaped ... had forced hi... grave, told the ... trying Adolf Eichmann today how he ... ed search for h...

Dr. ... Ameri... New Je... day the ... ther ac... centration ... Ukraine, ... other inmates ... dead. While doing ... to be ... to escape.

Today, after the court had ruled a defence objection, he told of the activities of a Special S.S. Unit formed towards the end of World War II to wipe out the evidence of the mass murders committed by the Nazis.

After his escape Dr. Wells was arrested again and put into a "death brigade" used for this work. One day they ... of 1...

... of the ...

... said he ... towards the ...

... DS

... death brigade" ... with a man ... devil ...

... ance, while they were still warm, he had to put them into the fire."

Asked how long a man was actually kept in the "death brigade," Dr. Wells said: "We were told that after eight or ten days we man to be exchanged. We would be shot and another group would come."—Reuter

خالی قبر

خزاں کے پہلے دن تھے۔

صبح کا میلا کہرہ قیدیوں کی بیرکوں پر چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں کسی گندی گالی کی سی تیزی اور تلخی تھی۔ لنڈین کے پیڑوں کے آخری پتے سر جھکائے اپنی آخری گھڑی کے انتظار میں تھے اور انسانی لاشوں کو جلانے والی بھٹیاں آہستہ آہستہ دھواں اُگل رہی تھیں۔

لیون نے اپنی قبر کھودتے کھودتے سر اٹھا کر پوپلر کے لمبے پیڑوں کی قطاروں کو دیکھا جن کے سفید رنگ تنوں سے یہودی قیدیوں کو باندھ کر گولی ماری جاتی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی سانس بند پرندے کی طرح اس کے سینے کے پنجرے میں رکی، پھر گھٹ کر آہ کی صورت میں باہر نکل آئی۔ اس ٹھٹھری ہوئی سانس سے اس کی چھاتی دہل گئی۔ مگر گشت کرتے ہوئے نازی سپاہیوں کی چاپ میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ وہ اسی پابندی اور مضبوطی سے ان یہودی قیدیوں کے چاروں طرف گشت کرتے رہے جنہیں آج گولی ماری جانے والی تھی اور جو اس وقت نازی سپاہیوں کی نگرانی میں کدالیں اور بیلچے لئے اپنی اپنی قبر کھود رہے تھے۔

لیون کی نظر پوپلر کے پیڑوں سے بھی اوپر میلے کہرے میں گھلتی ہوئی دھوئیں کی اس لکیر کو دیکھنے لگی جو کل تک کسی محبوبہ کی مہکتی ہوئی سانس تھی، کسی معصوم بچّے کی مسکراہٹ تھی کسی محبت

کرنے والے سائنس داں، فلسفی اور ادیب کا دماغ تھی۔ آج ان سب کی جگہ دھوئیں کی ایک لکیر تھی جو جلنے والی بھٹیوں کی چمنیوں سے نکل کر کرۂ ہوائی میں بکھر چلی تھی۔

جب قبریں کافی گہری ہو چکیں، تو نازی سارجنٹ زور سے چلایا "کام بند کر دو"۔

سارے قیدیوں نے اپنی قبروں کے سامنے کدالیں اور بیلچے رکھ دیئے اور اٹینشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"فارورڈ مارچ"! نازی سارجنٹ بڑے سخت لہجہ میں چلایا۔

لیون کے قدم مشین کی طرح پوپلر کے پیڑوں کی طرف بڑھنے لگے۔ جہاں کچھ منٹ کے بعد اسے گولی ماری جائے گی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی موت کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے پیچھے دوسرے یہودی قیدی تھے، جو جگہ جگہ سے لاکر لودر کے نازی جیل خانے میں بند کئے گئے تھے۔ ان میں اس کا دوست اور ساتھی ابراہیم بھی تھا۔ جو اس کی طرح ہی سائنسداں تھا اور پولینڈ سے لایا گیا تھا، جہاں وہ کینسر کے مرض پر ریسرچ کر رہا تھا۔ سفید داڑھی والا بوڑھا ابراہم آج تک یہ نہ سمجھ سکا تھا کہ اسے کس جرم کی پاداش میں گولی ماری جا رہی ہے۔ وہ ہوتے ہوئے معصوم بچوں کی طرح روتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اس کے پیچھے اس کی دو نوجوان لڑکیاں ایجیل اور روزا سولہ اور اٹھارہ سال کی دوشیزائیں سر اونچا کئے بے خوفی سے چل رہی تھیں۔ ان کے پیچھے اور بھی یہودی تھے جو دوسری بیرکوں سے لائے گئے تھے اور جنہیں لیون پہچانتا نہ تھا۔ سب سے آخر میں اس کی محبوبہ جینی تھی۔ کاش یہ نازی سپاہی اتنی سی مہربانی سے کام لیتے کہ اس کی محبوبہ کو اس کے ساتھ ساتھ موت کی طرف آخری گھڑیوں میں چلنے دیتے لیکن نازیوں نے اس کی یہ معمولی سی درخواست بھی ٹھکرا دی تھی۔ سب سے آخر میں تین سال کا ایک بچہ چل رہا تھا۔ جس کے یہودی ماں باپ کو دو دن ہوئے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا تھا۔ وہ بچہ ایک ہات جینی کے ہات میں دیئے اور دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا اپنے منہ میں چوستا ہوا چل رہا تھا۔

اپنی زندگی کے آخری ایام سے بے خبر۔

یکایک چلتے چلتے لنڈین کے نیچے سے گذرتے ہوئے کہیں دور اوپر کی شاخوں میں ایک پتہ کھڑکھڑایا اور تیز ہوا کے جھونکے سے ٹوٹ کر زمین پر آگرا۔

ننھے بچے نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور زمین پر لڑھکتے ہوئے پتے کی طرف بھاگنے لگا۔ جین نے اسے روکنا چاہا، دوسرے قیدیوں نے بھی اسے آوازیں دیں۔ مگر کھلکھلاتا ہوا بچہ لائن توڑ کر ہرے پتے کی طرف بھاگتا جا رہا تھا۔ آخر خوشی سے چیخنے ہوئے اس بچے نے جھپٹ کر اس پتے کو اپنے ہاتھ میں دبوچ لیا۔

ٹھیک اسی وقت پیٹھ پر ایک گولی لگی اور وہ وہیں زمین پر گر گیا۔

اس کے ہاتھ میں وہی ہرا پتہ تھا اور یہی آخری پتہ تھا جو تین سال کے بچے نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

یہودی قیدیوں کی قطار میں غم اور غصے کی لہر دوڑ گئی۔ مگر نازی سپاہی رائفلیں تانے ان کے بالکل پاس آگئے اور بے بس و مجبور قیدی سر جھکا کر پھر پوپلر کے پیڑوں کی طرف بڑھنے لگے۔

لیون کے بالکل قریب بوڑھے سائنس داں ابراہم کو باندھا گیا۔ سب سے آخر میں جین کو باندھا گیا ــــ جین، جو اس کی محبوبہ تھی۔ بھوری آنکھوں والی، بہادر جین جس کے ہونٹوں پہ سرخ لپسٹک چمک رہی تھی۔ یہ کسی نخرے والی عورت کی ادا نہیں تھی یہ موت کے خلاف ایک معصوم اور بہادر لڑکی کی بغاوت کا اعلان تھا۔

جب سب یہودی پیڑوں سے باندھ دئیے گئے۔ تو نازی سپاہیوں نے اپنی اپنی۔ ..... جگہوں پر کھڑے ہو کر رائفلیں تان لیں۔

ٹھیک اسی وقت ایک سپاہی بھاگتا ہوا آیا اور سارجنٹ سے کہنے لگا۔"لاشیں جلانے والی بھٹیوں پر ایک آدمی کم پڑ گیا ہے اور نئے قیدی تو کل آئیں گے۔"

سارجنٹ نے ہات کے اشارے سے سپاہیوں کو گولی مارنے سے روک دیا اور خود گھوم کر پیڑوں سے بندھے ہوئے ایک ایک قیدی کو دیکھنے لگا۔ ہر قیدی اس کی نگاہوں کے نیچے کانپ رہا تھا۔ یہ سارجنٹ ایک کو ایک دن کی زندگی دے سکتا ہے۔ جانے وہ کون خوش قسمت ہوگا۔

سارجنٹ کی وہ بے رحم نظر سب قیدیوں پر سے پھسلتی ہوئی آخر لیون کے چہرے پر رک گئی۔ لیون نے چلا کر کہا۔"نہیں سارجنٹ مجھے نہیں! یہ دن تم جین کو دیدو ابراہم کو دیدو۔"

"ایک ہی تو دن ہے۔" نازی سارجنٹ نے بے حد نفرت کے ساتھ کہا۔

"ایک ہی تو دن ہے"! لیون سوچنے لگا۔"مگر ایک دن میں کتنی سانسیں ہوتی ہیں، کتنے منٹ، کتنے سیکنڈ۔ کتنے خیال، کتنے تصور! ایک دن کے دامن میں کتنی آرزوئیں، کتنی حسرتیں، کتنے پھول، کتنی کلیاں کھل جاتی ہیں۔ ایک دن پوری زندگی، پوری صدی، پوری تاریخ بن سکتا ہے۔ مگر اندھے شعور کی پتھریلی گھاٹیوں میں گشت کرتا ہوا نازی سپاہی کیا جانے کہ ایک دن میں کیا ہوتا ہے!

لیون نے اسی لمحہ بھر میں کھڑے کھڑے یونہی سوچا اور ملتجی نگاہ سے سارجنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر نازی سارجنٹ نے اس کی یہ التجا بھی ٹھکرا دی۔"جین ایک کمزور لڑکی ہے۔ وہ بولا۔ اور ابراہم بوڑھا ہے۔ لاشیں جلانے والی بھٹی پر ایک مضبوط آدمی کی ضرورت ہے۔۔۔ ویل۔"

نازی سارجنٹ نے دہاڑ کر اپنے ایک سپاہی سے کہا۔"لیون کی رسیاں کھول دو۔"

کچھ منٹ کے بعد وہ بھٹی نمبر ۲ پر کام کرنے لگا۔ لاشیں جلانے والی بھٹیاں کنسینٹریشن کیمپ

کے کچھی سر ے پر تھیں، اور اس سے پچاس ساٹھ گز کی دوری پر جیل خانے کا لوہے کا جنگلا تھا۔
اس جنگلے کے باہر بھی چاروں طرف نازی سپاہی پہرہ دیتے اور گشت کرتے تھے۔ مگر آج کہرا اتنا
گہرا تھا کہ لوہے کے جنگلے کا ٹیڑھا میڑھا جال آدھے سے زیادہ کہرے میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا تھا
اور نازی سپاہیوں کے چہرے کچھ لمحوں کے لئے کہرے میں ڈوب کر ابھرتے اور پھر اسی کہرے میں
کھو جاتے تھے۔

پچاس گز کی دوری پر آزادی ہے۔ لیون بھٹی میں لاشیں جھونکتے جھونکتے سوچنے لگا۔
صرف پچاس گز کی دوری پر! اس کے ساتھ دو نازی سپاہی بھی کام کر رہے تھے اور تین یہودی۔
وہ ہرا پتہ پھر لیون کی آنکھوں میں لہرانے لگا جیسے اسے اپنے پاس بلا رہا ہو' زندگی کا
پیغام دے رہا ہو۔

مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ لیون کام کرتا رہا اور سوچتا رہا۔ پھر بھٹی نمبر ۳ میں کوئی خرابی پیدا
ہو گئی اور ایک نازی سپاہی مدد کے لئے وہاں چلا گیا۔

اب صرف ایک نازی سپاہی تھا اور چار یہودی قیدی تھے۔ ان سب قیدیوں نے انکھیوں
سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے ایک ہی خیال ایک وقت پر ان چاروں کے ذہن میں ابھرا ہو۔
آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے ہوئے اور وہ سب قیدی اب پہلے سے بھی زیادہ محنت اور لگن سے
کام کرنے لگے اور کام کرتے کرتے نازی سپاہی کے نزدیک تر ہوتے گئے۔

نازی سپاہی نے ایک لمحہ کے لئے بھٹی کے اندر جھانک کر دیکھا اور کہا۔ "بس ٹھہر جاؤ۔ اب
اندر جگہ نہیں ہے۔"

ٹھیک اسی وقت لوہے کے پنجے کی طرح ایک مضبوط ہاتھ نے اس کے منہ کو بڑی سختی
سے ڈھک دیا۔ اس نازی سپاہی کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ پھر ان سب قیدیوں نے اسے

اٹھا کر بھٹی میں جھونک دیا اور باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

پھر وہ پچاس گز کی دوری پر لوہے کے جنگلے کی طرف بھاگ گئے۔

دھند گہری اور موٹی تھی۔ کہرا میلا اور گندا تھا۔ لوہے کے تاروں کے جال سے قیدی مچھلیوں کی طرح نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ اتنے میں گشت کرنے والے سپاہی نے انہیں دیکھ لیا۔ خطرے کا سائرن زور زور سے بجنے لگا۔ رائفلیں تانے نازی سپاہی دوڑنے لگے اور چاروں طرف ہلّہ ہو گیا۔

لیون گہری دھند میں بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سنسناتی ہوئی گولیاں نکل گئیں۔ مگر وہ ایک ہی جانب بھاگتا رہا۔ مغرب کی طرف فر کے پیڑوں کا بہت بڑا ایک جنگل تھا۔ اگر وہ کسی طرح وہاں پہنچ جائے:۔

جنگل کے اندر دور تک جا کر وہ گھاس پر گر پڑا۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اب صرف اسے اتنا یاد تھا کہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے افق پر ایک ہرا تارہ چمکا تھا۔

کئی مہینے تک وہ ایک روسی کسان کے گھر میں چھپا رہا۔ اس زمانے میں نازیوں کی مقبوضہ لائن میں کسی یہودی کو پناہ دینے کی سزا موت تھی۔ مگر اس بہادر کسان نے بڑی دلیری سے اس خطرے کا مقابلہ کیا اور لیون کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ پھر جب لگاتار روسی حملوں سے نازی فوجیں یوکرین سے بھاگنے پر مجبور ہو گئیں تو واپس جاتے ہوئے سارے بچے کھچے گاؤں اور ان کے گھروں کو جلاتے لوٹتے اور تباہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگیں۔ نازی فوجوں کے بھاگتے وقت لیون بدقسمتی سے پھر پکڑا گیا۔ نازیوں نے اسے پناہ دینے والے روسی کسان کو اسی وقت گولی سے اڑا دیا اور لیون کو پھر لودو کے نازی جیل خانے میں بھیج دیا۔

مگر اس بار جیل خانے میں کسی نے لیون کو نہ پہچانا۔ ایک تو کئی مہینوں کی بڑھی ہوئی داڑھی اس کے چہرے پر تھی۔ لگاتار مصیبتیں جھیلنے اور بھوکے رہنے کی وجہ سے اس کی صحت بہت گر گئی تھی۔

جیل خانے کا ڈھنگ بھی اب بدل چکا تھا۔ یوکرین سے پیچھے ہٹتے وقت ہٹلر نے حکم دیا تھا کہ کنسنٹریشن کیمپوں کے سارے نشان مٹا دیئے جائیں۔ تاکہ دنیا کو ہٹلر شاہی کے ظلم و ستم کا ثبوت نہ مل سکے۔

نازی سارجنٹ کانٹیل ایک فہرست لیکر لیون کے پاس آیا اور بولا "جوزف (ڈیکولی کہ لیون نے اب کے اپنا نام بدل لیا تھا) تمہارے گروپ میں دس یہودی ہیں۔ اور اس فہرست میں ۱۸۲ یہودی قیدیوں کے تمام ہیں جنہیں سلسلہ وار ۱۸۲ قبروں میں گاڑا گیا ہے۔ تم لوگوں کو ہر قبر کو کھودنا ہوگا اور پہچان کے لئے ہر لاش کے ساتھ قبر میں جو کارڈ دفن ہے، اسے نکال کر فہرست سے چیک کرنا ہوگا اور چیک کرنے کے بعد گڑھے مردوں کی لاشوں کو باہر نکال کر بھٹی میں جلا دینا ہوگا، اور اس قبر کو پاٹ دینا ہوگا۔

"چار دن تو بہت کم ہوں گے صاحب!" جوزف یعنی لیون نے سر جھکا کر بڑے ادب سے کہا۔

"تو ایک دن اور لے لو، ایک دن اور کیا ہونا ہے"! سارجنٹ کانٹیل نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

"ایک دن اور"! لیون نے بڑے دھیان سے سوچا۔

مگر لیون کو زیادہ سوچنے کا موقع نہ ملا۔ وہ بہت جلدی قبریں کھودنے اور کھود کر لاشیں نکالنے۔ نکال کر انہیں جلانے کے کام میں لگا دیئے گئے۔

پہلا دن اس کام میں گذر گیا، پھر دوسرا دن بھی گذر گیا۔ پھر اس رات جانے کیا ہوا کہ نازی سارجنٹ نے لیون کے گروپ کے تمام قیدیوں کو جگا کر زمین بھرنے کے کام پر لگا دیا حالانکہ وہ دن بھر کام کر چکے تھے اور رات کو کبھی کام نہ ہوتا تھا۔ مگر نازی سارجنٹ بے حد بوکھلایا ہوا اور ڈرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ شاید مورچے پر سے کوئی بہت بڑی خبر آئی تھی۔

وہ لوگ رات بھر قبروں پر کام کرتے رہے۔ جو قیدی تھک جاتا تھا اسے نازی سپاہی رائفل کے کندے مار مار کر پھر سے کام کراتے تھے جیسے ان کے سر پر بھوت سوار ہو۔ کام کراتے کراتے نازی سپاہی خوف زدہ نگاہوں سے پیچھے دیکھ لیتے۔

ہوتے ہوتے سب قبریں سپاٹ ہوگئیں۔ اب صرف چار قبریں باقی رہ گئیں۔ سارجنٹ کارٹیل فہرست دیکھ کر بولا "۔ ابراہیم ایہرن برگ"!

"مردہ موجود ہے "۔ ایک قیدی کھلی قبر کو دیکھ کر بولا۔

ایچل ایہرن برگ"!

"مردہ موجود ہے"۔

"روزا ایہرن برگ"!

"مردہ موجود ہے"۔

"لیون ویلز"، سارجنٹ کارٹیل نے فہرست کا آخری نام پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"قبر خالی ہے"۔ لیون نے قبر دیکھ کر جواب دیا

"قبر خالی ہے؟ کیسے خالی ہے"؟ سارجنٹ کارٹیل حیرت سے بولا۔

نازی سارجنٹ قبر کے چاروں طرف گھوما۔ پھر بڑی مایوسی سے بولا"۔ یہ کیسے ممکن ہے! نازی فہرست میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی۔ سب کو ہم نے مارا، سب کو ہم نے گاڑا، مردہ یہاں موجود ہونا چاہیے۔

"مگر مردہ یہاں موجود نہیں ہے"۔ لیون کی آواز میں طنز کی ہلکی سی لہر تھی۔

"تو پھر مردہ کہاں گیا"؟ بولا "جلدی بتاؤ، ورنہ تم سب کو گولی مار دوں گا"۔ سارجنٹ کارٹیل نے غصے سے رائفل تانی۔ سارے قیدیوں کے چہرے ڈر سے سوکھ گئے۔ سوائے لیون کے۔۔۔

لیون دھیان سے پورب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے روشنی کا لاوا ابل رہا تھا۔ لیکن یہ صبح کی روشنی نہ تھی بڑھتی ہوئی روسی فوجوں کا لاوا تھا۔

"جلدی بتاؤ۔ ... ! مجھے بیوقوف مت بناؤ" نازی سارجنٹ بولا۔ اس کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔ "بھلا مردہ خود چل کر کہیں غائب ہو سکتا ہے"

لیون ایک لمحہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ دوسرے لمحے ساری فضا آگ اور بارود کے دھماکے سے گونج اٹھی۔ لوود کے کیمپ کے چاروں طرف روسی فوجوں کا حملہ ہو گیا۔ نازی سپاہی خوف دہراس کے مارے ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ سارجنٹ کائیٹل بھی ایک طرف کو بھاگنے لگا۔ مگر لیون نے اسے گردن سے پکڑ لیا۔ اس کی رائفل چھین لی اور اسے زبردستی سے اپنی خالی قبر کے پاس لاکر بولا۔ "سارجنٹ کائیٹل! نازی کی فہرست میں ایک غلطی باقی رہ گئی۔ وہ انسان کے جذبۂ آزادی کو بھول گئے، وہ یہ بھول گئے کہ مردے بھی چل کر واپس آسکتے ہیں اور ایک دن میں تاریخ بھی بدل سکتی ہے۔ سارجنٹ کائیٹل! میں جوزف نہیں ہوں، میں لیون ولیز ہوں! غور سے اس خالی قبر کو دیکھو۔ جو میری لاش کے لئے کھودی گئی تھی۔ جانتے ہو سارجنٹ کائیٹل یہ قبر خالی کیوں؟"

"نہیں"! سارجنٹ کائیٹل نے کہا۔

لیون نے سر اونچا کرکے پورب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اب اس خالی قبر میں نازی داد (انصاف) دفن کیا جائے گا۔"

Kidw... has been ...sified and ... I G ... of ... ex... at a meeting held this ... stalls. ... assured residents that all There will be precautionary measures would be with sales and ... for their protection. ...tions.

THE FREE PRESS BULLETIN

BOMBAY TUESDAY AUGUST 30 1960

NO SMOOTH COURSE!

انصاف آسان نہیں

A Bangalore ... as provided one more ... sense of justice w... ...ed with. Ap... pe... ...se against him he ... magistrate was on ...

... saying ... the driver en... ...nto the gown ...

It was ... and noble ... others. It is ... try himself a... and the judge ...

Alas how ... it is that the course of justice is never smooth! The driver was summarily prosecuted before another magistrate who imposed on him a fine.

BOMBAY, Jan. ... (PTI) —The Forward Markets Commission ... removed the present ceiling of ... per 350 kilograms for trading ... groundnuts May hedge ... Giving its ...

(Cont...) Company ... end of the Agreement ... market ... pledged ...

The ... Rs. ... tions during the ...

With the ... over of the ... necessary ... itself of more and other capi... is proposed to limit sanctions from Rs. 2 ... and this ma... cluded as a ... today's Meet...

LABOUR

The agr... the repres... on 30th J... operate ... relations ... with the ... labour dis... ended ... matters ... cably ... tives ...

The ... as on ... in all ...

I take ... our than... Ministry for their ... ance.

It is als... Director ... devoted h... administra... and to ... and w...

... the ... dnesday ... liquidity ... over ... udday ... local ...

... Close ... 213.90 ... of gold ... and ... corres... 10 ... Sovereign ... Dust ... Dust ... note ... gold, both ... some ... in gold ... again ...

ٹیکسی ڈرائیور

عدالت نمبر ۴ کا کمرہ ملزموں، وکیلوں، مدعیوں، گواہوں اور تماشائیوں سے بھر گیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے اور عدالت کی کرسی ابھی خالی تھی۔

اس عدالت کے سامنے بکرم ٹیکسی ڈرائیور کی آج بارہویں پیشی تھی۔ پچھلے چار مہینوں میں وہ گیارہ بار اس عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور ہر بار پیشی اگلی تاریخ پر ٹل جاتی تھی اور اس کے کیس کی باری نہیں آتی تھی۔ پچھلے چار مہینوں میں وہ گیارہ دن ٹیکسی نہیں چلا سکا تھا اور جب ٹیکسی نہیں چلتی ہے تو گھر کا خرچ نہیں چل سکتا اور بچوں کا اسکول نہیں چلتا ہے اور بچے کا کھانا نہیں چلتا ہے، صرف بیوی کی زبان چلتی ہے۔

کوئی بڑا مقدمہ بھی نہیں تھا اس کا — اس نے شہر کے سب سے بڑے آدمی کی کار بڑی تیز رفتار سے جالیا تھا اور ہزار کوشش کرنے کے بعد بھی اس نے بڑے آدمی کی کار کو اپنے آگے نہ بڑھنے دیا۔ حالانکہ بڑے آدمی کی گاڑی اس کے پیٹ کی طرح بڑی تھی اور اس کی حرص کی طرح لمبی تھی اور اس کا رنگ ایک چھنال عورت کے میک اپ کی طرح بھڑکیلا تھا۔ تو بھی بکرم ٹیکسی نے اسے مات دیدی۔ اس میں بکرم کی ٹیکسی سے زیادہ بکرم کی چالاکی کا دخل تھا۔ کیونکہ شاید

تو انسان کے ہاتھوں سے چلتی ہے۔ بڑے بڑے آدمی کبھی کبھی یہ بھول جاتے ہیں کہ شہر کا سب سے بڑا آدمی بھی ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور کی جراءت پر بے حد خفا ہو گیا تھا اور اگلے چوک پر رک کر اس نے ٹریفک انسپکٹر سے ایک کم حیثیت ٹیکسی ڈرائیور کی ڈھٹائی کے خلاف شکایت کر دی تھی۔

بکرم کو اس عدالت سے زیادہ سے زیادہ دس روپیہ جرمانہ ہوتا مگر وہ بڑا آدمی بڑا معروف آدمی تھا، کسی طرح پیشی پر حاضر نہ ہوتا تھا اور بکرم کو عدالت میں حاضر ہوتے آج گیارہ دن ہو گئے تھے۔

اس نے گھبرا کر اپنے وکیل سے پوچھا۔ "کیا جج صاحب آج نہیں آئیں گے۔"؟

"کیا معلوم"! اس کے وکیل نے بڑی بیزاری سے اسے جواب دیا۔ کیونکہ بکرم نے اپنے وکیل کو ہر پیشی پر تین روپئے دینے کا وعدہ کیا تھا اور اپنی سمجھ میں اس نے بڑا سستا سودا کیا تھا۔ بکرم کا خیال تھا کہ یہی دو ایک پیشیوں میں فیصلہ ہو جائے گا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ معاملہ اس قدر لمبا کھنچے گا کہ اسے تین کی بجائے تینتیس روپے دینے پڑ جائیں گے اور وکیل اس لئے سختی سے جواب دے رہا تھا کہ بھلا آخر تین روپے والے کیس کو اور کس طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

اب اگر بیس تیس کا معاملہ ہوتا تو وکیل بھی مسکراتا۔ ہر وکیل کی مسکراہٹ اس کے تنگ سے ہونٹوں میں بھنچی رہتی ہے اور اس مسکراہٹ کو کھولنے اور باہر لانے کے لئے الگ الگ میٹر ہیں۔

کسی وکیل کی مسکراہٹ پانچ روپئے

پر کھلتی ہے تو کسی کی پچاس روپئے پر تو کسی کی ہزار روپئے پر۔ وکیل کے میٹر اور ٹیکسی کے میٹر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بکرم نے بڑی بیزاری سے سوچا۔ اب میں اس ظالم کو تینتیس دے چکا ہوں مگر یہ کبھی سیدھے منہ سے مجھ سے بات نہیں کرتا، کیوں کہ میں تین روپئے والا آسامی ہوں۔ اب میں اس سے کیا کہوں۔ جرمانہ تو مجھے دس روپئے سے زیادہ نہ ہوگا لیکن وکیل کو تینتیس روپئے دے چکا ہوں۔

"پیشکار سے معلوم کیجئے کہ عدالت آج آئے گی کہ نہیں آئے گی، میرا ٹیکسی کا نقصان ہوتا ہے۔

بکرم نے بڑے اداس لہجہ میں اپنے وکیل سے کہا۔

وکیل نے گھڑی دیکھ کر کہا۔" اوہ! پونے بارہ ہو گئے۔ میرا ایک مقدمہ عدالت نمبر ۲ میں ہے میں وہاں جاتا ہوں تم یہیں کورٹ کے اندر بیٹھے رہو یا کھڑے رہو مگر رہو اسی کورٹ کے اندر۔ اگر تمہارا بلاوا آئے تو مجھے فوراً کورٹ نمبر ۲ سے بلا لینا۔

وکیل اپنا پھٹا کالر سہلاتا ہوا اپنی بوریوں کی طرح لٹکی ہوئی پتلون کو جھلاتا ہوا کورٹ نمبر ۲ کی طرف چلا گیا۔ عرصہ ہوا اس نے ایک بڑے ایڈوکیٹ کی بدصورت لڑکی سے یہ سوچ کر شادی کی تھی کہ اس کا سسر اپنے داماد کو ایڈوکیٹ بنا دے گا۔ مگر شادی کے چھ مہینے بعد ہی وہ بڑا ایڈوکیٹ چل بسا۔ پھر اگلے دس سالوں میں اس کے سات بچے ہو گئے، پھر اس کے کوٹ کا کالر پھٹ گیا۔

تین روپئے میں تم کیا کر سکتے ہو۔ اگر زندگی میں تلخی ہی تلخی رہ جائے تو زبان پر مٹھاس کہاں سے آئے۔ وکیل نے کورٹ نمبر ۲ کی طرف جاتے ہوئے سوچا۔

بکرم نے پہلے تو کورٹ ریڈر سے عدالت کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب کورٹ ریڈر نے اسے جھڑک دیا تو وہ سہم کر پرے ہو گیا۔ دیر تک اپنی چھدری لیکن خوبصورت اور ملائم داڑھی سہلاتا رہا۔ اس کی داڑھی بڑی خوبصورت اور چھوٹی سی تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اس کے خاندان کے سبھی مردوں کی آنکھیں خوبصورت تھیں اور چھوٹی چھوٹی خوبصورت سی داڑھیاں تھیں اور وہ سب لوگ اپنے سر پر بڑی بڑی جٹائیں رکھتے تھے، ریشم کے لچھوں کی طرح ملائم جٹائیں بالوں کے یہ گھنے گچھے ان کے دھرم اور ان کی تہذیب کے پرانے نشان تھے۔ بکرم کے خاندان میں بڑے بڑے عالم فاضل اور پنڈت ہو گذرے تھے۔ مگر زمانے کی گردش نے بکرم کو ٹیکسی چلانے پر مجبور کر دیا تھا۔

بکرم نے چاروں طرف بڑی بے بسی سے دیکھا، یکایک اسے کورٹ روم کے بائیں

کونے میں آخری سرے پر ایک دروازے کے قریب جج صاحب کا اردلی نظر آیا ۔ یہ اردلی خاص عدالت بہادر کا تھا جب جج صاحب اپنے پرائیوٹ روم سے نکل کر باہر عدالت کے کمرے میں جاتے تھے تو یہ اردلی دو قدم پہلے آگے بڑھ کر پکارتا تھا، گویا ایک طرح سے بھری ہوئی عدالت کو جج صاحب کے آنے کی خبر دیتا تھا۔ پھر جج صاحب کالا جبہ، گالا گاؤن اور دو پھندنوں والا سفید کالر پہنے ہوئے اندر تشریف لاتے اور ساری عدالت ان کو تعظیم دینے کے لئے کھڑی ہو جاتی اور اس وقت تک کھڑی رہتی جب تک جج صاحب عدالت کی اونچی کرسی پر نہ بیٹھ جائے ۔ بکرم سب سے نظر بچا کر جج کے پرائیویٹ کمرے کے دروازے پر کھڑے ہوئے اردلی سے باتیں کرنے لگا ۔

"عدالت بہادر کب آئیں گے"؟

اردلی بولا " وہ تو ٹھیک گیارہ بجے آتے ہیں جانے کیا بات ہو گئی آج ممکن ہے طبیعت خراب ہو"

"طبیعت خراب ہو گی تو عدالت نہیں لگے گی"؟

"ہاں"

"کوئی دوسرا جج نہیں آئے گا"؟

"کبھی کبھی آتا ہے ۔ جب پہلا جج چھٹی لے لیتا ہے ــــ لمبی ! مگر آج کیا ہو گا ، کسے معلوم شاید تھوڑی دیر میں جج صاحب کا ٹیلی فون آئے گا ۔"

ابھی اردلی کے منہ سے یہ بات نکلی بھی نہ تھی کہ ٹیلی فون آگیا اور اردلی ٹیلی فون سننے کے لئے جج صاحب کے پرائیویٹ کمرہ میں گھس گیا ۔ بکرم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا ۔ اردلی ٹیلی فون سننے لگا ۔ بکرم کمرے کے اندر کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا ۔ صاف ستھرا کمرہ تھا ایک طرف جج صاحب کے کھانے کی میز تھی، ایک طرف آرام کرنے کے لئے کوچ تھا، کچھ تپائیاں اور کرسیاں تھیں ۔ لوہے کی ایک بڑی الماری تھی ۔ سامنے دیوار پر تین کھونٹیاں تھیں ۔ ایک کھونٹی پر عدالت کا گاؤن ٹنگا تھا ،

کالا چشمہ اور کالر ایک تپائی پر رکھا تھا۔ ایک طرف جج صاحب کی مدراسی پگڑی تھی جسے پہن کر وہ عدالت کے اندر تشریف لایا کرتے تھے۔

اردلی ٹیلی فون سن کر بکرم کی طرف مڑا اور بولا "جج صاحب نہیں آئیں گے انہیں زکام ہوگیا ہے۔" پھر فوراً ہی تیور بدل کر بولا "مگر تم اندر کیوں چلے آئے تمہیں معلوم نہیں کہ اس کمرہ کے اندر کوئی نہیں آسکتا، باہر نکلو۔"

اردلی غصہ سے بکرم کی طرف بڑھا۔ بکرم نے فوراً اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

عدالت نمبر ۲ کا کمرہ تماشائیوں سے اور باہر کے وکیلوں سے بھرتا جارہا تھا کیونکہ آج جج کی کرسی پر ایک نیا جج بیٹھا تھا جسے آج سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا تھا اور تماشائیوں سے زیادہ وکیل لوگ یہ دیکھنے کو بے چین تھے کہ نیا جج کس طرح کے فیصلے کرتا ہے اور اس کی قانون کی جانکاری کا کیا حساب کتاب ہے۔

اس وقت مقدمہ کا مدعی بالا چندرن تھا۔ بالا چندرن نے اپنے گھر کا ایک کمرہ ایک بڑھی عورت اور اسکے بیٹے کو کرایہ پر دے رکھا تھا۔ بڑھی اور اس کا بیٹا دس سال سے اس کمرے میں رہتے چلے آئے ہیں اور بڑی باقاعدگی سے کرایہ ادا کرتے تھے۔ پھر بڑھی کا جوان بیٹا اپنی مل میں ایک حادثہ کا شکار ہوکر مرگیا تھا اور بڑھی چھ مہینے سے کرایہ نہ دے سکی تھی۔ اور بالا چندرن بڑھی کو کمرہ سے نکالنے کے لئے عدالت کا حکم نامہ چاہتا تھا۔

جج نے بالا چندرن سے پوچھا۔ "تمہارے گھر میں کتنے کمرے ہیں"؟

"دس کمرے ہیں۔" بالا چندرن نے جواب دیا۔

"اور تمہارے خاندان میں کتنے آدمی ہیں"؟

"میں اکیلا ہوں۔"

"اور تمہاری عمر کتنی ہے؟"

"ستر برس کی عمر ہے حضور"!

"تو ستر برس کے بڈھے کو دس کمرے کس لئے چاہئیں"؟ جج نے پوچھا۔ "کیا تم ان دس کمروں میں سے ایک کمرہ اس بدلعی کو نہیں دے سکتے، جس کا جوان بیٹا چھ مہینے ہوئے کارخانہ میں مارا گیا؟"

بالا چندرن کا وکیل بولا: "حضور سیکشن نمبر فلاں کی شق فلاں فلاں کی دفعہ فلاں فلاں کی رو سے قانون کہتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"اور انصاف کیا کہتا ہے؟" نیا جج غرا کر بولا۔

اور بالا چندرن کا وکیل وہیں کھڑے کھڑے سہم گیا۔ پھر نئے جج نے مسکرا کر بالا چندرن کی طرف دیکھا جو ستر برس کا دبلا پتلا کمزور آدمی تھا جس کے چہرے پر ستر برس کی کنجوسی سے پیدا ہونے والی جذبات کے داغ تھے۔ وہ اپنے ہونٹ سکوڑے ماتھے پر ہزار شکنیں لئے چپ چاپ سب کے سامنے کھڑا تھا نئے جج نے مسکرا کر بالا چندرن کیطرف دیکھا اور کہا: "تمہارے گھر میں کتنے نوکر ہیں"؟

"ایک بھی نہیں"۔ بالا چندرن نے جواب دیا۔

"کیا تم اکیلے نہیں محسوس نہیں کرتے"؟

وکیل کو بڑی حیرت ہوئی، وہ جج سے پوچھنا چاہتا تھا۔ یہ جج کس قسم کے سوال پوچھ رہا ہے، ان سوالوں کا مقدمہ سے کیا تعلق ہے، مگر اسے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

"کبھی کبھی اکیلا محسوس کرتا ہوں"۔

"کیا تم یہ محسوس نہیں کرتے کہ کوئی تمہارا کمرہ جھاڑ دے، تمہارے کپڑے وقت سے نکال دے"

تمہارے لئے نہانے کا پانی رکھ دے، تمہارے لئے ناشتہ تیار کر کے لے آئے اور رات کو جب تم سو جاؤ تو کوئی آہستہ سے تمہارے پاؤں دبا دے"۔

"محسوس کرتا ہوں حضور"۔

"اور اگر کوئی ان تمام خدمتوں کے بدلے تم سے تمہارے دس کمروں کے بڑے مکان میں صرف ایک کمرہ اپنے رہنے کے لئے چاہے اور کوئی تم سے کسی چیز کو نہ مانگے صرف ایک کمرہ اور دو وقت کھانا۔ تو کیا تم کو اس کو دینے میں اعتراض ہوگا۔

بالاچندر نے متعجب ہو کر کہا: "مگر حضور ایسا آدمی اس دنیا میں آج کل کہاں ملے گا؟ اسی لئے تو میں نوکر نہیں رکھتا"۔

بڈھی عورت کا چہرہ کھل اٹھا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر جج کو دعائیں دینے لگی۔ پھر اس نے بالاچندرن سے ڈانٹ کر کہا ــ "اب گھر چل تیرے کھانے کا وقت ہو گیا ہے"۔

عورت نے بڈھے کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور ساری عدالت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ بالاچندرن کے وکیل نے سمجھایا"۔ بالاچندرن تم گھبراؤ نہیں میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کر دوں گا"۔

بالاچندرن نے کہا"۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گے مجھے یہ منظور ہے"۔ پھر وہ بڈھی کی طرف دیکھ کر مسکرایا، جیسے سوکھی دھرتی کے سینہ میں نرمل جل کی دھارا پھوٹ پڑی ہو۔

(۲)

عدالت کے کٹہرے میں ایک خوبصورت اینگلو انڈین لڑکی کھڑی تھی۔ وہ اس طرح کھڑی تھی جیسے عدالت کے کٹہرے میں کسی نے ایک خوبصورت پھولوں سے بھرا گلدان رکھ دیا ہو۔ اس کے نیلے فراک پر اودے اودے پھول وکیلوں کی نظروں میں مسکرانے لگے۔ جج نے پوچھا"۔ تو تم اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہو"۔

"جی ہاں۔"

"کیا تمہارا شوہر بے کار ہے؟"

"جی نہیں، وہ تو ریلوے میں ڈرائیور رہے۔"

اینگلو انڈین ڈرائیور بھی قریب ہی کھڑا تھا اور بار بار رومال سے اپنا گورا چہرہ پونچھتا جاتا تھا۔ آج اس کی بھرپور بے عزتی کا دن تھا۔ آج اگر یہ عدالت کا کمرہ کسی ریل گاڑی کا ڈبہ ہوتا تو وہ پوری ریل گاڑی کو کسی کھڈ میں پھینک دیتا۔

"تو تم اس سے طلاق کیوں چاہتی ہو؟"

"میرے شوہر کے منہ سے بو آتی ہے۔"

"کیوں آتی ہے۔؟"

"اسے ہر روز رات کے کھانے کے ساتھ بھنی ہوئی لہسن کھانے کا بہت شوق ہے"

"تو تم اسے رات کو ٹوتھ برش استعمال کرنے پر مجبور کیوں نہیں کرتیں؟"

"میں تو کہتی ہوں اسے پر یہ مانتا نہیں۔"

"اگر تم سونے سے پہلے ایک ٹوتھ برش پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر اس کے منہ میں دے دیا کرو تو کیا یہ دانت صاف کرنے پر مجبور نہیں ہو جائے گا؟"

لڑکی چپ ہو گئی، پھر بولی "۔ اور حضور یہ آدمی روز رات کو جوتوں سمیت میرے بستر میں گھس آتا ہے۔"

"تو پھر تم بھی جوتوں سمیت سو جایا کرو۔" جج نے کہا۔ "بڑی آسان ترکیب ہے، دو دن میں اس کی عادت ٹھیک ہو جائے گی۔"

"مگر۔" اینگلو انڈین لڑکی کا وکیل بولا۔ "تعزیرات ہند کی سیکشن فلاں فلاں کی دفعہ فلاں فلاں

کے مطابق اگر شوہر بیوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

" تم چپ رہو۔" جج نے وکیل کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ " شوہر بیوی کے معاملے میں تم بولنے والے کون ہوتے ہو "

پھر جج نے ٹائپسٹ کو اپنا فیصلہ لکھواتے ہوئے کہا۔ " لکھو۔ اگر شوہر جوتے پہنکر بستر میں گھسنے کی کوشش کرے تو بیوی کو بھی چپل پہن کر سونے کا پورا پورا حق ہے۔ کیس ڈسمس "۔

(۳)

اب کٹہرے میں جارلی ٹیکسٹائل مل کا مالک کرشنما چاری کھڑا تھا۔ وہ بے حد لمبا اور دبلا تھا۔ اس کے کانوں میں سفید ہیرے جگمگا رہے تھے اور وہ اپنی سفید ریشم کی قمیض اور دھو میں بالکل دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک ایسا دیوتا جو ابھی ابھی مندر سے اٹھ کر عدالت میں چلا آیا ہو۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں جو اس نے کٹہرے پر رکھی ہوئی تھیں، بڑی لمبی نازک نرم اور گدا دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ایسے آدمی کی انگلیاں دکھائی دیتی تھیں جس نے عمر بھر نوٹ گننے کے سو اور کوئی کام نہ کیا ہو۔ وہ عدالت کے کٹہرے میں بالکل آرام اور سکون سے کھڑا تھا۔

جج نے کہا۔ " تو تم اقبال کرتے ہو کہ تمہاری مل میں کام کرنے والے مزدور ریڈی کا مل کی ایک مشین سے کٹ گیا؟ "

" جی ہاں "

" اور اس اقبال کے بعد بھی تم ریڈی کو جرمانہ دینے سے انکار کرتے ہو۔ "

" جی "

" کیوں "

" کیوں کہ ریڈی کا ہاتھ اس کی غفلت سے کٹا ہے، اس کی اپنی غفلت سے میری

کی مشین خراب نہیں ہے۔" "میری مل؟ ... وہ تمہاری مل کیسے ہوئی؟"
"حضور میں اس کا مالک ہوں۔" "تم اس مل کے مالک کیسے ہوئے؟"
"حضور میں نے اس پر روپیہ لگایا ہے۔ ستر لاکھ روپیہ اب تک لگا چکا ہوں۔"

"اور کتنا کما چکے ہو؟" "تین کروڑ چوالیس لاکھ۔"
"اگر اس مل میں ایک مزدور بھی کام نہ کرتا تو تمہارا منافع کتنا ہوتا؟"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے حضور! اگر مل میں مزدور کام نہ کریں تو منافع کہاں سے آئے گا؟"
"تو تم اقبال کرتے ہو کہ تمہارا ستر لاکھ روپیہ بجائے خود کوئی چیز نہیں ہے جب تک انسان کے ہاتھ اس کو نہ چلائیں۔" کرشنا چاری نے جھجکتے ہوئے کہا "یہ تو درست ہے حضور۔"
"تو جو ہاتھ منافع دیتے ہیں انہیں منافع کا حق دار کیوں نہ سمجھا جائے۔ اس کے ہاتھ اگر کسی بھی غفلت سے، تمہاری یا ان کی غفلت سے کٹ جائیں تو ان ہاتھوں کے مالکوں کو زندگی بھر کے لیے پنشن کیوں نہ دی جائے۔؟"
"مگر یہ تو مل مالک کے حقوق پر دست اندازی ہوگی۔" کرشنا چاری کا وکیل چلایا۔
"مگر سیکشن فلاں فلاں کی شق فلاں فلاں کی دفعہ فلاں فلاں کے مطابق مل مالک کی صحیح تعریف ...
ایسی شریف آدمی کی تعریف کر وکیل صاحب۔" جج نے غرا کر کرشنا چاری کے وکیل سے کہا۔ پھر مرڈ کر ٹائپسٹ سے بولا "لکھو فیصلہ، کرشنا چاری نے مل میں ستر لاکھ روپیہ لگایا اور تین کروڑ چوالیس لاکھ وصول کیا، لہذا وہ اپنا روپیہ مع سود کے واپس لے چکا ہے۔ لہذا آج سے یہ مل اس کی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی ہے جنہوں نے آج تک اپنے ہاتھوں کی محنت کی پونجی اس میں لگائی ہے اور آج تک لگاتے آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ کرشنا چاری چونکہ خود اپنے ہاتھوں کی محنت اس مل میں نہیں لگاتا ہے اور اس پر مل کے منافع کا مکمل دعوے دار بنتا ہے،

لہٰذا یہ عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ مل کے منافع میں سے ریڈی کے لئے عمر بھر کی پنشن جاری کی جا
اور کرشنا چاری کے دونوں ہاتھ کاٹ لئے جائیں کیونکہ وہ ہاتھ کوئی کام نہیں کرتے اور ہمار
ملک کو صرف کام کرنے والے ہاتھوں کی ضرورت ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔" کرشنا چاری زور سے چلایا۔ "یہ جج ہے یا کوئی پاگل آدمی ہے"
سے وکیل غصہ سے بول پڑے۔

نیا جج کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک بھیٹر وکیل اپنے پھٹے کالر سہلاتا ہوا بھاگتا کورٹ روم
داخل ہوا اور کہنے لگا۔ "اسے پکڑ لو، اسے پکڑ لو یہ جج نہیں ہے۔ یہ تو میرا موکل ہے بکرم ٹیکسی وا
۔ ۔ ۔ ۔ یہ جج کی کرسی پر کیوں اور کس طرح بیٹھا ہے؟

کورٹ نمبر ۲ میں جب بکرم ٹیکسی والے کو پیش کیا گیا تو عدالت نے اس سے پوچھا: تمہارا نام

"وکرمادیتیہ" "عمر؟" "دو ہزار برس۔"

"کیا کام کرتے ہو؟" "ٹیکسی چلاتا ہوں۔"

"تم نے آنریبل عدالت کی غیر حاضری میں عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر عدالت کی ہتک کیوں
عدالت نمبر ۲ نے پوچھا۔

سب لوگ حیرت سے بکرم ٹیکسی والے کی طرف دیکھنے لگے، دیر تک بکرم ٹیکسی وا
کا سر جھکا رہا، پھر اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور بولا "حضور! زندگی ٹیکسی کی رفتار سے بھاگتی ہے
قانون ابھی تک چھکڑے کی رفتار سے چلتا ہے۔ میں بے قصور ہوں حضور! میں عدالت کی کرسی پر نہ
بیٹھا تھا میں نے صرف اس کے ایکسی لیٹر پر پاؤں رکھا تھا۔"

"چھ مہینے کی قید بامشقت۔" عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا اور پولس کے دو سپاہی
کو پکڑ کر عدالت سے باہر لے گئے۔

اردو ادب کا معیار بلند کرنیوالی اور سب سے
زیادہ فروخت ہونیوالی بیش قیمت کتاب
پاکستان میں سب سے پہلا اور مشہور زمانہ
ادارہ جسکا معیار ضرب المثل اور مطبوعات مقبول عوام ہیں

اردو پاکٹ بکس

جسکے قیام کا مقصد نہ صرف اردو کے بلند پایہ مشاہیر حضرات کے شاہکار پیش کرنا ہے بلکہ ملکی و غیر ملکی زبان کے مفید و مقبول گراں مایہ ادب، ناول، ڈرامہ، شاعری، طنز و مزاح سیاحت، علم و سائنس، اخلاقیات اور جنسیات وغیرہ کو بھی اردو زبان کا لباس پہنا کر ارزاں ترین قیمت پر اہل ذوق حضرات تک پہنچانا ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کیلئے

"جنسی تعلقات کے عجیب و غریب پہلو" جسکا پہلا ایڈیشن صرف ایک ہی ہفتہ میں ختم ہوگیا۔ غلط جنسی رجحانات اسقدر قوی ہوتے ہیں کہ ان سے مغلوب ہو کر بڑے سے بڑا ہوشمند انسان بھی عجیب و غریب حرکات اور جرائم کا مرتکب ہوجاتا ہے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اکثر اوقات ان حرکات و جرائم کے پیچھے جنسی جذبہ محرک ہوتا ہے، جو اس قدر قوی ہوتا ہے کہ لاکھ ہاتھ پیر پٹکنے پر بھی انسان کو بےبس اور لاچار کر دیتا ہے۔ "جنسی تعلقات کے عجیب و غریب پہلو" میں مصنف نے بڑی بیباکی اور دیدہ دلیری سے ایسے ہی غلط جنسی رجحانات کا تجزیہ کیا ہے۔ پڑھیے اور سمجھیے کہ قصور کس کا ہے حرکت کرنیوالے انسان کا یا ان رجحانات کا؟ یہ کتاب اول تا آخر بیحد دلچسپ ہے۔ فوٹو آفسٹ کی روشن اور عمدہ طباعت، بہترین کتابت، فنکارانہ صلاحیتوں کا حامل سرورق جو کہ تین حسین رنگوں کا امتزاج ہے اتنی خوبیوں کے باوجود قیمت صرف دو روپیہ پچاس پیسہ محصولڈاک و پیکنگ خرچ علاوہ۔ کاغذ کی قلت اور گرانی کے سبب دوسرا ایڈیشن محدود تعداد میں شائع کیا جارہا ہے لہٰذا مایوسی سے بچنے کے لئے آج ہی تین روپے ۵۰ پیسے کا منی آرڈر بھیجکر اپنا آرڈر بک کرالیجئے ورنہ نئے ایڈیشن کا طویل انتظار کرنا پڑیگا۔ بک اسٹال، ریلوے بکسٹال۔ کتب فروش اور نیوز پیپر ایجنٹ حضرات بھی اپنے آرڈر جلد ہی روانہ کردیں تاکہ کتاب شائع ہوتے ہی روانہ کردی جائے۔

★ اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ★
ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی ۱۸

جنسی مسائل (جنسیات)

"جنسی مسائل" کی واقفیت و معلومات
خوشحال، کامیاب اور خوشگوار ازدواجی
زندگی گذارنے اور صحت مند ماحول بنانے کے
لئے نہایت ضروری ہے۔ اگر آپ کو اپنی پریشانیوں
سے نجات حاصل کرنی ہے؟ جنسی امراض و
نقائص سے محفوظ رہنے کے آسان طریقے دریافت
کرنے ہیں یا ان ہی خفیہ مسائل میں جدید ترین اور
مستند معلومات حاصل کرنی ہیں تو مشہور عالم ڈاکٹر
لکشمی نارائن کی کتاب "جنسی مسائل" کا ضرور
مطالعہ کیجئے۔ قیمت صرف دو روپے ۵۰ پیسے۔
محصولڈاک علاوہ۔

شادی کے بعد (جنسیات)

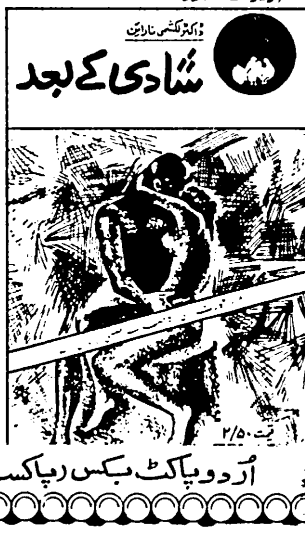

"شادی کے بعد" وہ لوگ جو اپنی گھریلو زندگی خوشگوار
اور کامیاب بنانا چاہتے ہوں یا جن کے لڑکے اور
لڑکیوں کی شادی عنقریب ہونیوالی ہو ڈاکٹر لکشمی نارائن
کی کاوش "شادی کے بعد" ضرور پڑھیے۔ ازدواجی
زندگی کے سماجی، خانگی، جنسی اور شخصی پہلوؤں پر عملی اور
نفسیاتی نکتے مفید طلب باتیں اور خفیہ راز جو یقینی طور پر
آپکی شادی کے بعد کی زندگی کو کامیاب اور پر مسرت بنانے
میں معاون اور مددگار ثابت ہونگے۔ قیمت ۲/۵۰
محصولڈاک علاوہ۔

اُردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

اردو کی سب سے زیادہ فروخت ہونیوالی
معیاری اور بیش قیمت کتاب ۔!
"اردو پاکٹ بکس" کی ایک اور فقید المثال پیشکش

میاں بیوی کے جنسی تعلقات

جس کا پہلا ایڈیشن صرف تین دن میں ختم ہوگیا

یہ کتاب صرف شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے لئے اور ان لوگوں کیلئے جنکی شادی ہونیوالی ہے بہت مفید ہے۔ یہ نئی کتاب بھی "عورت اور مرد" اور "جنسی مسائل" ایسی مقبول زمانہ اور بہت زیادہ تعداد میں فروخت ہونے والی کتابوں کے کامیاب ونامور مصنف اور جنسی علوم کے ماہر اور مشہور ڈاکٹر کی نئی دریافت ہے جس میں مصنف نے میاں بیوی کے جنسی تعلقات پر بڑے ہی سائنٹفک انداز اور بصیرت افروز ڈھنگ سے روشنی ڈالی ہے اور اپنے دیرینہ تجربوں کی بنا پر ہدایات دی ہیں کہ میاں بیوی کے جنسی تعلقات کو کس طرح خوشگوار بنایا جاسکتا ہے۔

"میاں بیوی کے جنسی تعلقات" میں شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی گھریلو زندگی میں پیدا ہونیوالی الجھنیں اور انہیں حل کرنیکی سائنٹفک ترکیبیں پیش کی گئی ہیں جنکا جاننا اور سمجھنا نوجوان جوڑوں کے لئے نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اگر آپ جنسی تعلقات کی اصل مسرتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب خود بھی پڑھیئے اور اپنی بیوی کو بھی پڑھوائیے۔ کتاب فوٹو آفسٹ سے نہایت نفیس کتابت اور روشن طباعت کے ساتھ سفید کاغذ پر شائع کی گئی ہے۔ آرٹ کارڈ کا بیحد حسین وخوبصورت رنگوں کا سرورق۔ اتنی خوبیوں کے باوجود قیمت دو روپیہ ۵۰ پیسے۔ محصولڈاک وپیکنگ ایک روپیہ علاوہ۔ دو کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر بھی محصولڈاک ایک ہی روپیہ لگتا ہے۔ کاغذ کی قلت اور گرانی کے سبب اسکا دوسرا ایڈیشن بہت ہی محدود تعداد میں شائع کیا جارہا ہے۔ مایوسی سے بچنے کے لئے آپ آج ہی تین روپیہ ۵۰ پیسے کا منی آرڈر بھیجکر کتاب محفوظ کرا لیجئے۔ بصورت دیگر نئے ایڈیشن کا طویل انتظار کرنا پڑیگا۔ بکسٹال، ریلوے بکسٹال، کتب فروش اور نیوز پیپر ایجنٹ بھی اپنے آرڈر جلد بھجوائیں۔

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد، کراچی ۱۸

اردو پاکٹ بکس ملک کا عظیم ترین ادارہ آپکی خدمت میں چار ناول پیش

بڑھیا سفید کاغذ، نفیس ترین کتابت، فوٹو آفسٹ کی روشن اور منور طباعت، حسین اور نازک رنگوں
مرصع آرٹ کارڈ کے سرورق اور موضوع کے اعتبار سے شاہکار (زیر طبع) ناولوں کا بہترین سیٹ

قتل کا راز

(جاسوسی ناول)

مصنف۔ رنجیت

قیمت ۲/۵۰

محصول ڈاک علاوہ

اردو پاکٹ بکس کی طرف سے شائع ہونے والے حیرت انگیز جاسوسی ناولوں کی پہلی کڑی جو عامیہ
قسم کے ناولوں سے قطعی مختلف اور شائستہ زبان میں شستہ مذاق کو تسکین پہنچاتی۔
ہم نے عامیانہ قسم کے جاسوسی ناول شائع کرنے کے بجائے معیاری ناول شائع کرنے کا فیصلہ
کیا ہے اور اس کے لئے بطور خاص یہ ناول پیش کر رہے ہیں۔ جو آپ کے لئے جاسوسی نا
کا ایک اچھوتا سلسلہ ہے۔ "قتل کا راز ہمارا پہلا جاسوسی ناول ہے جو بلاشبہ جاسوسی اد
کی شاہراہ پر سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے!

جگنو اور ستارے

مصنف: جیلانی بانو

قیمت ۲/۵۰

محصول ڈاک علاوہ

ریاستی نوابوں اور امیروں کی باہر سے جگمگاتی، زرق برق اور اندر سے اندھیری و کھوکھلی زندگی کس
طرح نئے زمانے اور نئی قدروں کے ساتھ دم توڑ رہی ہے۔ یہی جیلانی بانو کے ان دو ناولوں کا
موضوع ہے۔ اگر آپ کو امیروں اور نوابوں کی ناکارہ زندگی اور امیرزادیوں، نواب زادیوں کی
بے بسی کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا ہو تو یہ کتاب ضرور پڑھیئے۔ جتنا اہم یہ موضوع ہے اتنی ہی
اہمیت اور دلچسپی کا حامل ہے۔ اس سے زیادہ کیا بتائیں آپ خود ہی پڑھ لیجئے گا =

خلش (ناول)

مصنف: امرتا پریتم

قیمت ۲/۵۰

محصول ڈاک علاوہ۔

ایک عورت کے قلم سے عورت کی بے بسی، محبت اور ایثار کی المناک کہانی۔ عورت جو
کی فرسودہ روایات اور انتقام کا شکار ہوئی جو اپنے پرانے رشتے، ناتے اور
کو نہ بھلا سکی۔ جس کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا لیکن اسے وہ ماں کا پیار نہ د
سکی اور پھر موقع ملنے پر بھی اپنے اسی بیٹے کی خاطر واپس نہ جا سکی ا
کنبہ میں۔ اپنے سماج میں! یہ معلوم کرنے کے لئے "خلش" پڑھیئے =

قانون کا شکاری

(جاسوسی ناول)

مصنف: قانون والا

قیمت ۲/۵۰

محصول ڈاک علاوہ

اردو پاکٹ بکس کی طرف سے شائع ہونے والا یہ دوسرا جاسوسی ناول ہے جو اردو کے جاسوسی ا
میں نئی راہیں کھول رہا ہے۔ یہ محض ایک جاسوسی ناول ہی نہیں بلکہ جرم و سزا، قانون، پولیس اور
کا ایک ایسا بے مثال اور لازوال شاہکار ہے جسے آپ بھلانے پر بھی نہ بھلا سکیں گے۔ یہی
بلکہ اس مکمل ناول کے علاوہ اس کتاب میں دنیا بھر کے مجرموں کی داستانیں، اشتہاری مجرموں
کرتوت، جرم و سزا اور قانون پر دلچسپ مضامین بھی شائع کئے گئے ہیں۔ پڑھیئے اور مصنف
دماغ کی داد دیجیئے۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ ناول شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر نہیں چھوڑینگے۔

چار کتابوں کا مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر محصول ڈاک میں کافی رعایت ہو جاتی ہے

کی سب ؟
مطبوعات

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

[illegible] تمام مشہور کتب فروشوں اور ریلوے بکسٹالوں پر فروخت ہوتی ہیں۔ اگر کہیں دقت پیش آئے تو براہ راست ہم سے طلب [illegible]

مغربی پاکستان میں اُردو پاکٹ بکس کی ایجنسیاں

کوئٹہ :-	میسرز گوشۂ ادب جناح روڈ۔
	فون نمبر ٦٠٠٢
حیدرآباد :-	میسرز سلمان برادرز کوٹری والا چیمبرز ۔
	فون نمبر ٥١٠١
لاہور :-	میسرز پرنس میڈیکل ہال ٣٩ پرانی انارکلی۔
	فون نمبر ٥٢١٦٥
	نسیم بک ڈپو کچہری روڈ۔
	فون نمبر ٥٥٥٢٨
سیالکوٹ :-	میسرز ملک سنز ریلوے روڈ۔
	فون نمبر ٢١٦٢
راولپنڈی :-	میسرز پنجاب نیوز ایجنسی راجہ بازار
پشاور :-	میسرز افضل نیوز ایجنسی چوک یادگار۔
	فون نمبر ٣١١٥
	میسرز صادق کمیشن ایجنسی خیبر بازار
	فون نمبر ٢٣١٨
میرپورخاص :-	میسرز انصاری بکسٹال ایم اے جناح روڈ۔
گوجرانوالہ :-	بشیر صحرائی، اخبار گھر ٣۔ ریل بازار۔
	فون ٢٣٥٥
اوکاڑہ :-	رحمت بکسٹال۔ ریلوے پل۔
لائلپور :-	ملک ایم، اسلم بک سیلرز، جنرل بس اسٹینڈ۔
کیمبل پور :-	خزینۂ علم و ادب، بک سیلرز و اسٹیشنرز۔
سکھر :-	حسینی بک ڈپو، چوک گھنٹہ گھر۔
کراچی :-	کراچی بک ڈپو اردو بازار

اور دیگر تمام شہروں میں ریلوے بکسٹال اور کتب فروشوں کے ہاں دستیاب ہیں۔

عورت مرد
(جنسیات)

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اُس کا صحیح لُطف اُٹھانے کیلئے جنسیات جیسے نازک ترین مسئلہ کو جاننا نہایت ضروری ہے۔ اس حسین موضوع پر یوں تو بہت سے مصنفین نے طبع آزمائی کی ہے مگر ڈاکٹر لکشمی نراین کی دریافت "عورت مرد" اِس ضمن میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بذاتِ خود نفسیات اور جنسیات جیسے علوم کے ماہر ہیں اور انہوں نے اس کتاب میں اپنے وسیع تر مطالعہ و مشاہدہ کے پیش نظر سائنسی اور نفسیاتی اصولوں پر اپنے تجربات کا نچوڑ سمو کر رکھ دیا ہے۔ کتابت عمدہ، طباعت فوٹو آفسٹ، سرورق آرٹ پیپر کا سہ رنگا۔ قیمت صرف دو روپے ۵۰ پیسے۔ محصولڈاک علاوہ۔

برتھ کنٹرول (باتصویر)

بچوں کو جنم دینا ایک اخلاقی جرم ہے اگر ہم انکی صحیح پرورش نہیں کر سکتے۔ اَن چاہے بچوں کی پرورش آسانی سے رُکنے کیلئے برتھ کنٹرول ایک ایسا پر اثر طریقہ ہے جسے ماہر جنیات ڈاکٹر لکشمی نراین نے تمام دریافت شدہ سائنسی طریقوں کو بڑی آسان زبان میں سمجھا لیا ہے اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب کہیں بھی دستیاب نہیں ہو سکتی۔ "برتھ کنٹرول" میں سائنٹفک اور آزمودہ طریقے باتصویر دیئے گئے ہیں۔ بہترین کتابت عمدہ فوٹو آفسٹ کی طباعت۔ آرٹ پیپر کا سہ رنگا سرورق۔ قیمت صرف دو روپے ۵۰ پیسے۔ علاوہ محصولڈاک

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

نگ کانگ کی حسینہ

مصنف: کرشن چندر

کانگ کی حسینہ" اردو کے عظیم اور مشہور و معروف ناول نگار
ھکر جناب کرشن چندر نے اپنے اس نئے ناول میں ایک نئے اور اچھوتے
کا اضافہ کیا ہے۔ مصنف نے اس ناول کے ذریعے جاسوسی ناول
ری کو نئی راہ دکھلائی ہے، یہ ناول صرف عجیب و غریب اور حیرت
ز واقعات کا مجموعہ ہی نہیں ہے بلکہ فرض اور محبت دونوں کو ایک ساتھ
نے والے "انٹرپول" کے ایک ایسے ہونہار اور جانباز ایجنٹ کی انوکھی
ان ہے، جس نے اپنی محبت کی خاطر اپنی جانِ عزیز قربان تو کر دی مگر
گلنگ کرنے والے ایک بین الاقوامی گروہ کا پردہ فاش کر دیا۔ اور
محبت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید کر دیا۔ طرزِ تحریر اس قدر پیارا
دلکش ہے کہ آپ داد دیئے بغیر نہیں رہیں گے۔ پڑھیئے اور مصنف
داد دیجیئے۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے محصول ڈاک علاوہ۔

میلی چاندنی

مصنف: گلشن نندہ

"میلی چاندنی" اردو کے عظیم اور مقبولِ عام ناول نگار گلشن
نندہ کی تازہ ترین تخلیق ہے۔ "میلی چاندنی" پیار اور پیسے کے
پس منظر میں دو حسین و جمیل دوشیزاؤں اور ایک نوجوان کی انوکھی
تکون کہانی ہے۔ واقعات سبق آموز نظارے حسین اور دلکش
جذبات کے چیختے چنگھاڑتے، طوفان میں چٹکی چاندنی، جو جتنی میلی
تھی اس سے کہیں زیادہ اجلی ثابت ہوئی، مصنف نے کہانی کو
اسقدر جذبات میں ڈوب کر لکھا ہے کہ پڑھنے والا پڑھتے پڑھتے
خود بھی جذبات کے سمندر کی انتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔
پڑھیئے اور اندازہ لگایئے کہ ہم نے کہاں تک اس ناول کے بارے
میں درست کہا ہے۔ گلشن نندہ نئی نسل کا مقبول ترین ناول نگار
ہے اور اس نے "میلی چاندنی" کو اپنی سب سے بہترین تخلیق قرار
دیا ہے۔ قیمت دو روپے پچاس پیسے۔ محصول ڈاک علاوہ۔

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

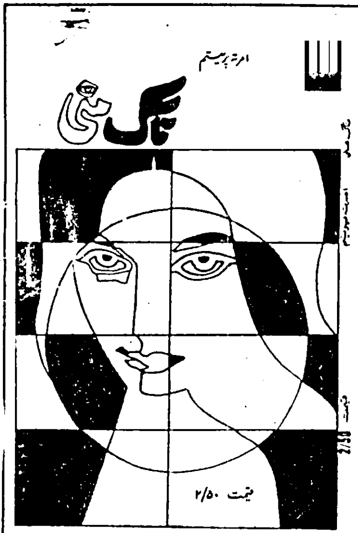

ناگ منی

مصنف : امرتا پریتم

"ناگ منی" برصغیر کی ممتاز اور نامور پنجابی ادیبہ وشاعرہ "امرتا پریتم" کا وہ تازہ ترین رومانی ناول ہے جس نے اس کے فن کو اجاگر کیا اور اسے دنیائے ادب میں صفِ اول کے فنکاروں میں لا کھڑا کیا ہے۔ حسین ترین نظاروں، کیف پرور رومان اور وجدانی جذبات سے بھرپور "محبت کو فن کے راستے کی رکاوٹ" ماننے والے مصور۔ اور محبت کی غیبی طاقت میں بے پناہ اعتقاد رکھنے والی ایک باغیرت لڑکی۔ مجبور ولاچار ہو کر بھی مستحکم اور بدلے میں بغیر کچھ پائے ہی سب کچھ دے دینے کے جذبے سے سرشار ایک انوکھی دوشیزہ کی نرالی اور انہونی داستان جو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور جس کا پس منظر اس قدر سبق آموز کہ دنوں پڑھنے والے کے دل اور دماغ کو اپنے سے متاثر رکھتا ہے۔ آپ بھی پڑھ کر دیکھئے۔

قیمت دو روپے ۵۰ پیسے۔ محصول ڈاک علاوہ

بند گلی

مصنف : ہنس راج رہبر

ہنس راج رہبر کا ناول "بند گلی" نئی اور نرالی ڈگر پر چلنے والی ایک ایسی دوشیزہ کی المناک کہانی ہے جو صرف محبت کی تسکین کی خاطر ایک شادی شدہ مرد سے محبت کی پینگیں بڑھاتی ہے، اپنے بیٹے کے مستقبل اور پرورش کی خاطر جسے سماج نے ناجائز اولاد قرار دیا تھا جس کے لئے ساری گلیاں بند ہو جاتی ہیں۔ جدوجہد کرتی ہوئی۔ بالآخر سماجی روایات پر قربان ہو جاتی ہے۔ "بند گلی" مصنف کا ایک اچھوتا اور عظیم شاہکار ہے، انسانی جذبات و احساسات کی نقاشی کے ساتھ ساتھ شہروں کی تنگ و تاریک گلیوں میں زندگی کی حقیقی اور سچی تصویر دیکھنا ہو تو "بند گلی" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ ہماری طرح یقیناً آپ بھی مصنف کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

قیمت دو روپے ۵۰ پیسے۔ محصول ڈاک علاوہ۔

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

اردو پاکٹ بکس کی زیر طبع مایۂ ناز ناول

ہمارا مقصد نہ صرف اردو کے بلند پایہ مشاہیر کے شاہکار پیش کرنا ہے بلکہ ملکی و غیر ملکی زبانوں کے مفید و مقبول اور گراں مایۂ ناول، افسانہ، ڈرامہ، شاعری، طنز و مزاح سیاست، علم و سائنس، جنسیات، اخلاقیات وغیرہ کو بھی اردو کا لباس پہنا کر ارزاں قیمت پر اہل ذوق تک پہنچانا ہے۔ اردو پاکٹ بکس کی تمام کتابیں بڑھیا سفید کاغذ پر فوٹو آفسٹ سے چھپتی ہیں سرورق آرٹ کارڈ کا سہ رنگا بلاکوں سے چھپا ہوا ہوتا ہے۔

ناگ منی (ناول)

مصنفہ: امرتا پریتم
قیمت ۲/۵۰
محصول ڈاک علاوہ

برصغیر کی نامور پنجابی شاعرہ امرتا پریتم کا تازہ ترین رومانی ناول ہے۔ "محبت کو فن کے راستے کی رکاوٹ" ماننے والے ایک مصور — اور محبت اور محبت کی غیبی طاقت میں بے پناہ اعتقاد رکھنے والی ایک باعزت، مجبور ہو کر بھی مستحکم اور بدلے میں بغیر کچھ پائے ہی سب کچھ دے دینے کے جذبے سے سرشار ایک انوکھی دوشیزہ کی انوکھی کہانی جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔

بند گلی

مصنف: ہنس راج رہبر
قیمت ۲/۵۰
محصول ڈاک علاوہ

نئی ڈگر پر چلنے والی ایک دوشیزہ کی المناک داستان جو صرف اور صرف محبت کی خاطر ایک شادی شدہ مرد سے محبت کرتی ہے۔ اپنے بیٹے کی پرورش کے لئے جسے سماج ناجائز اولاد قرار دیتا ہے جسکے لئے ساری گلیاں بند ہیں، جد و جہد کرتی ہوئی بالآخر سماجی روایات پر قربان ہو جاتی ہے انسانی جذبات و احساسات کی نقاشی کے ساتھ ساتھ شہروں کی تنگ و تاریک گلیوں کی زندگی کی حقیقی تصویر دیکھنا ہو تو "بند گلی" ضرور پڑھیئے۔ آپ یقیناً مصنف کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے

جگنو اور ستارے

مصنفہ: جیلانی بانو
قیمت ۲/۵۰
محصول ڈاک علاوہ

ریاستی نوابوں اور امیروں کی باہر سے جگمگاتی، زرق برق اور اندر سے اندھیری و کھوکھلی زندگی کس طرح نئے زمانے اور نئی قدروں کے سامنے دم توڑ رہی ہے۔ یہی جیلانی بانو کے ان دو ناولوں کا موضوع ہے۔ اگر آپ کو امیروں اور نوابوں کی ناکارہ زندگی اور امیر زادیوں اور نواب زادیوں کی بے بسی کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا ہو تو یہ کتاب ضرور پڑھیئے۔ جتنا اہم یہ موضوع ہے اتنی ہی اہمیت اور دلچسپی کا حامل ہے۔ اس سے زیادہ کیا بتائیں آپ خود ہی پڑھ لیجئے گا۔

کاغذ کی کمیابی اور گرانی کے سبب یہ کتابیں بہت ہی محدود تعداد میں شائع کی جا رہی ہیں۔ اس لئے آج ہی کتاب کی قیمت اور محصول ڈاک بذریعہ منی آرڈر بھیجکر اپنا آرڈر بک کرا دیں۔ ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ایک سے زائد کتابیں منگوانے میں محصول ڈاک کی کافی رعایت ہو جاتی ہے۔

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

ایسے افسانے جو ہمیشہ کے لئے
آپ کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جائینگے ۔

معیاری ادب ۔
خوبصورت کتاب ۔
ارزاں قیمت ۔

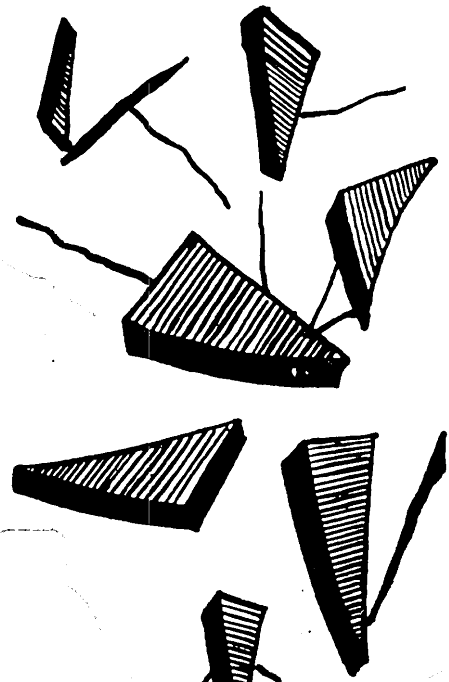

اردو
پاکٹ
بکس
(پاکستان)
کراچی ۱۸